

جاسوسی دنیا نمبر 47

طویلے کی بلا

حمید کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج کل اس کے ستارے گردش میں ہیں لیکن شامت کبھی بازوے کر نہیں آتی۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ابھی اس پر کیا مصیبت آنے والی ہے ورنہ وہ کارگلی میں کھڑی کر کے مارٹن اینڈ مارٹن کی نئی سیلر گرل سے عشق نہ لڑاتا۔ لڑکی ہوسات کی اس دکان میں بالکل نئی آئی تھی اور حمید نے جس دن سے اسے دیکھا تھا بلا ناغہ کچھ نہ کچھ خریدنے کے بہانے یہاں آنے لگا تھا۔ کبھی رد مال، کبھی ٹائیاں اور کبھی جرابیں۔ جس دن بچہ خریدنے کو جی نہ چاہتا کسی ایسی چیز کی فرمائش کرتا جو دکان میں موجود ہی نہ ہوتی۔ ایسے مواقع پر اسے لڑکی سے زیادہ سے زیادہ گفتگو کرنے کی سعادت نصیب ہو جایا کرتی تھی۔۔۔۔۔ بہر حال وہ روزانہ کم از کم ایک بار اس دکان میں ضرور آتا تھا۔

آج بھی وہ اسے تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک گفتگو میں الجھائے رہا تھا اور آج تو اس نے سے ایک فلم کی دعوت بھی دے ڈالی تھی۔ لیکن لڑکی جو شاید بہت زیادہ محتاط واقع ہوئی تھی کام نہ زیادتی کا بہانہ کر کے ٹال گئی۔ بہر حال حمید مایوس ہو کر یہ سوچتا ہوا پلٹ آیا کہ ایک نہ ایک دن ضرور پیچھے لگی۔ لہذا اسے پیچھے کی مہلت دے کر اب کہیں اور قسمت آزمائی کرنی چاہئے۔

جب کوئی کام نہ ہو تو ہر آدمی اپنی مخصوص ترین تفریحات کی طرف دوڑتا ہے۔ آج کل یہی بغیر حمید کی بھی تھی۔ مقصد خواہ ٹائیں ٹائیں فٹ ہی کیوں نہ ہو۔ عورت اس کی محبوب ترین تفریح تھی اور اس تفریح کی معراج یہ تھی کہ وہ یا تو خود بیوقوف بن جاتا تھا یا بنا دیتا تھا۔ بیوقوف بنانا بھاننا بجائے خود کوئی ایسی بُری بات نہیں لیکن بعض اوقات یہ رجحان نتائج کے اعتبار سے ناک بھی ثابت ہوتا ہے۔

ہولناک ویرانے

(مکمل ناول)

حمید کو بارہا اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا تھا۔ اس دن مارٹن اینڈ مارٹن کی سیلر گرل کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد وہ سیدھا اس گلی میں آیا جہاں اُس نے اپنی کار چھوڑی تھی۔

الیکٹرک پول دور ہونے کی وجہ سے یہاں خاصا اندھیرا تھا لیکن اُسے سوئی توڑھونڈنی نہیں تھی کہ روشنی کی پرواہ کرتا۔ کار پر بیٹھ کر مشین اشارت کی اور گلی سے سڑک پر آگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت آر لکچو کی طرف جانا چاہئے جہاں آج کچھ اسپیشل پروگرام بھی تھے اور اسے توقع تھی کہ وہاں اس کی کوئی نہ کوئی پرانی شناسا ضرور مل جائے گی۔

کار سڑکوں پر فرائٹ بھرتی رہی۔ حمید کا موڈ پھر ٹھیک ہو گیا۔ وہ ہولے ہولے گنگنائے لیکن اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسکے حلق سے بیک وقت دو قسم کی آوازیں نکل رہی ہوں۔ وہ خاموش ہو گیا لیکن دوسری آواز بدستور جاری رہی اور پھر کافی دیر بعد یہ بات اس کی بکری میں آئی کہ وہ کسی شیر خوار بچے کے رونے کی آواز تھی۔

وہ بوکھلا کر دوسری سیٹ کی طرف مڑا۔ اندر اندھیرا تھا۔ لیکن حمید بہرا نہیں تھا۔ آواز بچہ سیٹ کے علاوہ کہیں سے نہیں آرہی تھی۔ اس نے اندر کی لائٹ جلا دی۔ اور پھر اگر وہ دوسرے ہی لمبے میں کار کی رفتار کم کر کے اسے سڑک کے کنارے نہ لگا دیتا تو ایک آدھ ایکسیڈنٹ لازمی تھا۔ حقیقتاً اُس کے ہاتھ پیر بُری طرح کانپ رہے تھے۔ پچھلی سیٹ پر ایک نوزائیدہ بچہ کپڑوں میں لپٹا ہوا پڑا حلق پھاڑ رہا تھا۔

حمید کار سے اتر آیا۔ سڑک کافی چلتی ہوئی تھی۔ راگیروں نے کار سے بلند ہونے والی آوازیں سنیں اور ایک ایچھے خاصے آدمی کو اس پر سے اترتے دیکھا جو بہت زیادہ بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ایسی صورت میں اگر کچھ راگیر چلتے چلتے رک گئے تھے تو یہ حیرت کی بات نہیں تھی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولے حیرت سے نہ پھاڑے ہوئے بچے کو گھور رہا تھا۔ اُسے اپنے گرد اکٹھا ہوتی بھیڑ کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ اچانک کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر مڑا۔

ایک ادھیڑ عمر کا شریف صورت آدمی براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اب حمید کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا اور اس نے ذہنی انتشار کے ان لمحات میں جو فیصلہ کم

نی کی خامیوں کا احساس اسے بھی تھا۔ لیکن وہ اتنی جلدی میں اور کوئی فیصلہ کر بھی تو نہیں سکتا تھا۔ دنیا کا ہر آدمی کرٹل فریدی کی طرح فولادی اعصاب نہیں رکھتا۔

”کیوں جناب کیا بات ہے۔“ اُس آدمی نے پوچھا۔

”میری بد نصیبی۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”بچے کی ماں کہاں ہے اور آپ نے اس غریب کو اس طرح پچھلی سیٹ پر کیوں ڈال رکھا ہے۔“

”افسوس کہ گود میں لے کر کار ڈرائیور کرنا شانداؤں کے بس کا بھی روگ نہیں۔“

بھیڑ سے ایک لڑکی کھڑکی میں جھک کر بچے کو دیکھنے لگی اور پھر حمید نے دردناک آواز میں ہنسا شروع کیا ”بچے کی ماں ہسپتال میں تھی۔ وہیں یہ بچہ پیدا ہوا۔ ماں مر گئی اور بچے کو مجھے لانا پڑا۔ بے بے درد ہوتے ہیں یہ ہسپتال والے بھی۔“

”کیا یہ آپ کا بچہ ہے۔“ لڑکی نے مڑ کر حمید سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ حمید کی آواز اور زیادہ دردناک ہو گئی۔ ”اب میں اسے گھرنے جا رہا ہوں۔ لیکن

سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح لے جاؤں۔“

”اچھا آپ فکر نہ کیجئے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔ پیارہ کیسا رو رہا ہے۔“

”میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔“ حمید گڑگڑا کر بولا۔

یہ لڑکی کافی دلکش، اسٹارٹ اور الٹرا موڈرن قسم کی تھی۔ عمر میں سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز میں ملبوس تھی۔

اس نے بڑے اطمینان سے کار کا دروازہ کھولا اور بچے کو گود میں لے کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

حمید نے کار اشارت کر دی۔ لیکن اس وقت اس کی عقل کھوپڑی کے گرد ناچ رہی تھی۔ اس نے بوکھلاہٹ میں ایک زبردست جفاقت کی تھی۔ اُسے اس قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہئے تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی گھر تک ضرور ساتھ جائے گی۔ نہ صرف ساتھ جائے گی بلکہ اخلاقی کچھ دیر ٹھہر کر بچوں کی پرورش و پرداخت کے سلسلے میں ایک چھوٹا سا لیکچر بھی دے گی اور پھر اگر فریدی اس وقت گھر ہی پر موجود ہوا تب تو اس کی شامت ہی آجائے گی اور وہ اس سلسلے میں ضرور جواب طلب کرے گا کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا۔

دراصل اس نے یہ جھوٹ اس لئے گھڑا تھا کہ کم از کم وقتی ہی طور پر عام آدمیوں کی پوچھ

کچھ سے فک جائے۔ اگر وہ حقیقت کہہ دیتا تو کم از کم آدھے گھنٹے تک اسے جھک مارنی پڑتی۔
بہر حال وہ ایک بہت بڑی دلدل میں پھنس گیا تھا اور اب سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں
یہاں سی بجنے لگی تھیں.... بچہ برابر روئے جا رہا تھا۔

”یا خدا رحم کر اس کے حال پر۔“ لڑکی نے دردناک آواز میں کہا اور حمید نے جواباً ایک
ٹھنڈی سانس لی اور اس ٹھنڈی سانس کی آواز لڑکی کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش میں اسے
کھانسیوں سے دوچار ہونا پڑا۔

”آپ کس طرح رکھیں گے اسے۔“ لڑکی نے حمید سے پوچھا۔

”کیا بتاؤں محترمہ! میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔“

”میرے خیال سے ایک پرائیویٹ نرس انگیج کر لیجئے۔“

”اوہ.... بہت معقول رائے ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ میں یہی کروں گا۔“

”عورتیں تو ہوں گی ہی آپ کے یہاں۔“

”اوہ.... یہی تو سب سے بڑی بد نصیبی ہے۔ گھر پر بڑے بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں اور وہ

اتنے کریک ہیں کہ خدا کی پناہ.... بچے کو دیکھتے ہی کہیں گے کہ اگر ماں مر گئی ہے تو اس گدھے کو
زندہ رکھنا فضول ہی ہو گا۔“

”یہ لڑکی ہے یا لڑکا۔“

حمید اس سوال پر بوکھلا گیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ وہ لڑکی ہے یا
لڑکا.... اس نے دل ہی دل میں خود کو گالیاں دیں اور کراہ کر بولا آپ کو یقین نہ آئے گا لیکن میرا
دماغ اتنا بے قابو ہو گیا ہے کہ شاید آپ کے اس سوال کا جواب نہ دے سکوں۔ اس کی ماں کی
موت نے میرے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ نہ میں نے ابھی اسے اچھی طرح دیکھا ہے اور نہ
یہی یاد ہے کہ ڈاکٹر نے کیا کہا تھا۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی.... ذرا مجھے بھی بتائیے کہ یہ لڑکی ہے یا لڑکا۔“
لڑکی چند لمحے خاموشی کے بعد بولی۔ ”لڑکا ہے۔“

”آہ.... اے.... بد نصیب لڑکے۔“ حمید گلوگیر آواز میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”پریشان ہونا فضول ہے۔“ لڑکی نے اُسے دلاسا دیا۔ ”سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا جو کچھ
کرتا ہے ٹھیک ہی کرتا ہے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی الجھن آہستہ آہستہ بڑھتی ہی جا رہی تھی اور وہ ذہنی طور پر اس قابل
نہیں رہ گیا تھا کہ لڑکی کی سریلی آواز سے لطف اندوز ہو سکتا۔

لڑکی پھر چکارنے لگی۔ لیکن شاید وہ خود بھی اس معاملے میں اتنا ہی تھی بچہ کسی طرح بھی
بپ نہ ہوا۔

”بھوکا ہے شاید۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”پھر بتائیے میں کیا کروں۔“ حمید نے بسی سے بولا۔ ”میں نہیں جانتا کہ اتنے چھوٹے بچے کو

پایا جاتا ہے۔“

”آج ہی پیدا ہوا تھا۔“ لڑکی نے پوچھا۔

”جی ہاں.... بالکل آج ہی۔“

”تب تو شاید اسے گھٹی دی جائے گی۔“

”میں نہیں جانتا کہ یہ گھٹی کیا چیز ہے۔“

”یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ پتہ نہیں کیا کیا ملا ہوتا ہے اس میں.... اوہ دیکھئے! کیوں نہ ہم
کی ڈاکٹر کے پاس چلیں۔“

حمید نے سوچا اگر پہلے شامت نہیں آئی تھی تو اب آجائے گی۔ اس جھوٹ کو بھانے کا
بہترین طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح جلد از جلد گھر پہنچ جاتا۔

”نہیں.... میرا خیال ہے کہ راستے میں جتنی دیر لگے گی پریشانیوں میں اضافہ ہی ہو گا۔
میں جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہئے وہاں کوئی نہ کوئی تدبیر ضرور ہو جائے گی۔“

”جیسی آپ کی مرضی.... ویسے مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ بیمار نہ پڑ جائے۔“

”اب جو کچھ بھی مقدر میں ہو گا بھگتنا ہی پڑے گا۔“ حمید نے دردناک آواز میں کہا۔

وہ فی الحال اس لڑکی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس
 طرح پیچھا چھڑائے۔ لڑکے کی تو خیر کوئی بات ہی نہیں تھی۔ اُسے ہر حال میں پولیس کی حفاظت
میں جانا تھا۔

لڑکی اچھی خاصی تھی اور حمید انتشار کے ان لمحات میں بھی یہ سوچنے سے باز نہیں آیا تھا کہ
نہ کے تعلقات بڑھانے کے امکانات کی بنیاد پڑ گئی ہے لیکن یہ اُسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ وہ

اُس کے سامنے جھوٹا نہ بننا۔

کار فرمائے بھرتی رہی۔ بچہ روتا رہا اور لڑکی ”ہوں ہوں“ کر کے اُسے ہلاتی رہی۔

خدا خدا کر کے کار فریدی کی کوٹھی کی کپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پھانک ہی پر حمید کی روح نہ ہو جانے کا ارادہ کرنے لگی۔۔۔۔۔ کیونکہ فریدی برآمدے ہی میں بیٹھا شائد کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ حمید اس بات کا فیصلہ نہ کر سکا کہ کار کو گیراج کی طرف لے جائے یا پورچ کی طرف۔ لیکن کار کا رخ پورچ ہی کی طرف تھا اور اس میں حمید کی قوت فیصلہ کو دخل نہیں تھا۔

کار جیسے ہی پورچ میں داخل ہوئی فریدی بے ساختہ چونک پڑا۔ چونکنے کی وجہ کار نہیں بلکہ حلق پھاڑتے ہوئے بچے کی آواز تھی۔

حمید بوکھلایا ہوا کار سے اتر اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

لڑکی بچے کو گود میں سینے ہوئے نیچے اتر آئی۔

”لایئے۔۔۔۔۔ مجھے دیجئے۔“ حمید نے بوکھلاہٹ میں بچے کو اس کی گود سے جھپٹتے ہوئے کہا۔ اب اس کی کھوپڑی بالکل ہی آؤٹ ہو گئی تھی۔

”آئیئے۔۔۔۔۔ آئیئے۔“ وہ لڑکی سے کہتا ہوا فریدی کی طرف جھپٹا۔ بچے کو اُس کی گود میں ڈال کر پھر لڑکی کی طرف مڑا۔

”میں آپ کا احسان مند ہوں۔۔۔۔۔ بہت احسان مند ہوں۔ چلے میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ یہ تو میرا فرض تھا۔“ لڑکی مسکرا کر بولی۔

بچہ فریدی کی گود میں پڑا پھل رہا تھا اور وہ حیرت سے منہ کھولے احمقوں کی طرح ان دونوں کو گھور رہا تھا۔

”ڈرائیور۔۔۔۔۔ ڈرائیور۔۔۔۔۔!“ حمید آگے بڑھ کر حلق پھاڑنے لگا۔ ڈرائیور شائد کہیں قریب ہی تھا لہذا اسے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔

”اے دیکھو۔۔۔۔۔!“ حمید نے کہا۔ ”مس صاحب کو گھر چھوڑ آؤ۔“

”ارے جناب! پہلے اس بچارے کی خبر لیجئے۔“ لڑکی نے کہا۔

حمید چونک پڑا۔ اس سے اب تک جتنی بھی حرکتیں سرزد ہوئی تھیں ان میں اسے کو دخل نہیں تھا۔ اُسے اس بات کا احساس ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔۔۔۔۔ لہذا اب

بہ نپي غلطی کا احساس ہوا اور وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ بچہ اب بھی اس کی گود میں رہا۔ وہ پہلے ہی کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا انہیں گھور رہا تھا۔

”مم۔۔۔۔۔ میرے۔۔۔۔۔ بب بڑے بھائی صاحب۔“ حمید فریدی کی طرف اشارہ کر کے ہٹلایا۔

فریدی کی حالت میں اب بھی کوئی تغیر نہ ہوا۔

ڈرائیور الگ آنکھیں پھاڑے ایک ایک کو گھور رہا تھا۔

ان لوگوں کے اس رویے پر لڑکی بھی بوکھلا گئی۔

”میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔“ حمید نے پھر اُس سے کہا۔

”جناب بچے کی خبر لیجئے۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ جی ہاں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”ڈرائیور آپ کو گھر پہنچا دو۔“

پھر وہ بچے کو فریدی کی گود سے اٹھا کر تیر کی طرح اندر چلا گیا۔

فریدی کھڑا ہو کر اپنے کپڑے جھاڑنے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

لڑکی اب بھی وہیں کھڑی تھی۔

”واقعی اس واقعے نے ان کے ذہن پر بُرا اثر ڈالا۔“ لڑکی نے فریدی سے کہا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”تشریف رکھئے۔“

”جی نہیں اب جاؤں گی۔ کیا سچ گھر میں کوئی عورت نہیں۔“

”جی نہیں۔“ فریدی نے آہستہ سے سر ہلادیا۔

”اچھا دیکھئے۔۔۔۔۔ یہ میرا پتہ ہے۔“ وہ دہشتی بیگ سے اپنا کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھاتی

ہوئی بولی۔ ”اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے فون کیجئے گا۔ میں کئی اچھی نرسوں کو جانتی ہوں۔“

”شکریہ۔“ فریدی کا رڈ لیتا ہوا بولا۔ ”اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو میں ضرور تکلیف دوں گا۔“

ڈرائیور کار کا پچھلا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ لڑکی کار میں بیٹھ گئی۔

فریدی اس وقت تک برآمدے ہی میں کھڑا رہا جب تک کار پھانک سے نہیں گذر گئی۔

پھر وہ سیدھا حمید کے کمرے میں آیا۔ حمید کمرے میں کھڑا پاگوں کی طرح چاروں طرف

دیکھ رہا تھا اور بچہ۔۔۔۔۔ وہ بستر پر پڑا تھا اور اس کی زبان تالو سے نہیں لگ رہی تھی۔

”دیکھئے! پہلے میری بات سن لیجئے۔“ حمید چار ہزار الفاظ فی منٹ کی رفتار سے بولنے لگا۔

”ایسے موقع پر آدمی بوکھلا جاتا ہے۔ پاگل ہو جاتا ہے سڑی ہو جاتا ہے۔ پہلے پوری بات سن لیجئے کبھی کبھی بدحواسی میں اس قسم کی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ دیکھئے پہلے پوری بات سن لیجئے۔ غلطی آدمی ہی سے ہوتی ہے۔ میری جگہ اگر آپ ہوتے۔ نہیں پہلے پوری بات سن لیجئے۔“

”خاموش رہو۔“ فریدی نے جھلا کر کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کے ہونٹ اب بھی مل رہے تھے۔

”یہ بچہ کہاں تھا۔“

”میری کار کی پچھلی سیٹ میں تھا۔ آپ پوری بات بھی تو سنئے۔“

”پوری بات کے بچے اب تک تم نے چوتھائی بات بھی نہیں بتائی۔“

”یہ بچہ!“ حمید بچے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”حیرت انگیز طور پر میری کار میں پایا گیا۔“

”کیا مطلب۔“

”جی ہاں.....!“

”کیا جی ہاں! تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“

”میں ہوش میں ہوں۔ اچھا شروع سے سنئے میں کار راجر اسٹریٹ کی ایک گلی میں کھڑی کر کے ایک دوکان میں چلا گیا۔ واپسی پر میں نے کار گلی سے نکالی اور چل پڑا۔ وہاں مجھے کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ کافی دور چلنے کے بعد اچانک اس سور نے رونا شروع کر دیا۔“

”لیکن تم اسے یہاں کیوں لائے ہو۔ سیدھے کو توالی نہیں لے جاسکتے تھے۔“

”آف..... اس ٹریجنڈی کا حال سن کر آپ مجھے مارنے دوڑیں گے۔“

بچہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔

”بکو جلدی سے۔“ فریدی اس کی گردن دبوچ کر جھٹکے دیتا ہوا بولا۔

اور پھر حمید کو پوری داستان دہرا دینی پڑی۔

”میرا خیال ہے“ فریدی اس کے خاموش ہوتے ہی براہِ سامنہ بنا کر بولا۔ ”تم سے زیادہ ذہین تو وہ لوگ ہوں گے جو عدالتوں میں عرائض نویسی کرتے ہیں۔“

”اب جو دل چاہے کہئے، حماقت تو ہو ہی گئی۔“ حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی فون پر کو توالی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

دوسری طرف حمید بچے پر جھکا ہوا بکواس کر رہا تھا۔ ”ارے چپ ہو جا..... میرے باپ کے..... شاباش..... شو شو۔“ وہ سیٹی اور چنگی بجانے لگا۔ ”آدمی کا بچہ بڑا سوراہتا ہے۔ کبرا مدد ملایا جاسکتا ہے حتیٰ کہ چوہے بھی ٹرینڈ کئے جاسکتے ہیں مگر آدمی کا بچہ اس سے بڑا سوراہتا ہے۔“

یا قوت کی انگشتی

تقریباً دو گھنٹے گزر جانے کے بعد فریدی ان کپڑوں کو الٹ پلٹ رہا تھا جن میں بچہ پٹا ہوا ملا تھا۔ بچہ پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور پولیس نے اسے شہر کے سب سے بڑے میٹرنٹی سینٹر میں پہنچا دیا تھا۔

”کون سی کار لے گئے تھے۔“ فریدی نے مید سے پوچھا۔

”آسٹن.....!“

”اگر تم نے پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”خیر..... آڈ..... میں اسے بھی دیکھوں گا لیکن میرا خیال ہے کہ یہ حرکت دیدہ دانستہ نہیں کی گئی۔“

”دیدہ دانستہ سے کیا مراد ہے۔“

”یعنی یہ سمجھ کر بچہ کار میں نہیں ڈالا گیا کہ وہ تمہاری کار ہے۔“

”اس کا دال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں بعض حالات میں ہو سکتا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا اس سے پہلے بعض

بچوں نے اصل واقعے سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے اس قسم کی دوسری حرکتیں نہیں کیں۔“

”اوہ..... ہاں..... ممکن ہے۔“

”لیکن مجھے تمہاری بوکھلاہٹ پر افسوس ہے۔“

”میری جگہ اگر آپ ہوتے۔“

”فضول باتیں نہ کرو۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ یہ ایک الگ بات ہے لیکن اگر تم

میری جگہ ہوتے تو کبھی کی تمہاری ہڈیاں سڑ گل گئی ہوتیں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر گیراج میں آئے۔ کار واپس آگئی تھی اور ڈرائیور

اسے گیراج میں چھوڑ کر غالباً سونے کے لئے جا چکا تھا۔

فریدی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر روشنی کر دی۔

وہ پچھلی نشست کے ایک ایک جوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

”بہت مشکل ہے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”تم نے زبردست حماقت کی.... نشانات کی تلاش فضول ہے قطعی فضول۔“

”میرا خیال ہے کہ اب اس معاملے میں سزمارنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“ حمید بولا۔

”ضرورت ہے میں تنگ آ گیا ہوں۔ میرا خون بہت دنوں سے کھول رہا ہے۔ آئے دن شہر میں اس قسم کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ آدمی کے بچے کی اتنی بھی وقعت نہیں رہ گئی جتنی کتے کے پلے کی ہوتی ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں پچھلے ماہ ایک نالے میں ایک نوزائیدہ بچے کی لاش کتے گھینتے پھر رہے تھے۔ پچھلے چھ ماہ میں جتنے بھی اس قسم کے کیس ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی پتہ نہیں لگایا جاسکا۔ اور پھر یہ سب پولیس کے بس کا روگ نہیں۔“

”میں....!“ فریدی کا دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔ ”میں دیکھوں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔“

وہ پھر برآمدے کی طرف واپس ہو رہے تھے۔ اچانک فریدی پورج ہی میں رک گیا۔ اُس کی آنکھیں زینے کے نیچے پڑی ہوئی کسی چمکدار چیز پر تھیں۔ ننھی سی سرخ روشنی۔ چنگاری سی دبک رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے جھک کر اسے اٹھالیا۔

یہ ایک انگشتی تھی جس میں یا قوت کا ایک بڑا سا نگینہ جگمگا رہا تھا۔

”کیا یہ تمہاری ہے۔“ فریدی نے حمید سے پوچھا۔

”نہیں....!“ حمید اُسے فریدی سے لے کر دیکھتا ہوا بولا۔ ”اوہ.... کہیں یہ اُس لڑکی کی نہ ہو۔“

”نہیں اس کی بھی نہیں ہو سکتی۔“

”کیوں....؟“

”عقل استعمال کرو۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ”اگر یہ اس لڑکی کی ہے تو وہ اسے بچہ

کے انگوٹھے میں پہنتی ہوگی۔ اس کی نرم و نازک انگلیاں تو میں دیکھ ہی چکا ہوں۔“

واقعی یہ حقیقت تھی کہ انگشتی کا قطر کافی بڑا تھا.... اتنا بڑا کہ کم از کم وہ کسی عورت کی انگشتی تو ہر گز نہیں ہو سکتی تھی۔

”یہ ہمارے کسی ملازم کی بھی نہیں ہو سکتی۔“ فریدی بڑبڑایا۔ ”بے دماغ یا قوت کا اتنا بڑا نگینہ وہی دولت مند ہی رکھ سکتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے کسی ملے والے کی ہو۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں.... آج یہاں اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا۔“

”واہ.... ابھی جلدیش آیا تھا.... اس کے ساتھ ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ چار کا ٹیبیل تھے۔ زمانہ پولیس فورس کی ایک کار پورل بھی تھی۔“

”ان میں سے کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ کسی کی بھی انگلیاں اتنی موٹی نہیں ہیں۔“

”تب پھر دادا مرحوم کی روح آئی ہوگی۔“ حمید بیزاری سے بولا۔ ”مرحوم کو انگشتیوں کا جنون تھا جو انگلیوں میں نہیں آتی تھیں انہیں گلے میں لٹکائے رکھتے تھے۔“

فریدی خاموش رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے حمید کی بکواس سنی ہی نہ ہو۔

”آؤ....!“ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر گیراج کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

”کہاں....!“

”وہیں جہاں تم نے کار کھڑی کی تھی۔“

”دیکھئے.... میں پھر کہتا ہوں کہ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیے۔“

”معاملہ اگر کسی غریب گھرانے کا ہوتا تو شاید میں باز بھی آجاتا۔“ فریدی نے کہا۔

”ہائیں.... گھرانے کا بھی پتہ لگایا آپ نے....!“

”قطعی.... جس قسم کے کپڑوں میں وہ بچہ لپٹا ہوا ہے وہ تو اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے

ہیں۔ کسی غریب گھرانے میں ایسے کپڑے کہاں۔ نہایت عمدہ قسم کی تین عدد مردانی قمیضیں ہیں۔

بالکل میداغ۔ غریب گھرانے کے لوگ اس طرح کپڑے نہیں ضائع کیا کرتے.... کیا سمجھئے۔“

”ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ واقعی یہ بات غور طلب ہے۔ لیکن اب اس وقت وہاں جانے سے کیا

فائدہ ہوگا۔ جلدیش وغیرہ تو وہاں پہنچ ہی گئے ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے کسی روز ناچنے کی خانہ بدوشی تو کرنی نہیں ہے میرے اور

جلدیش کے نظریے میں فرق ہے۔ چلو بکواس مت کرو۔“

وہ اسے کھینچ کر گیراج میں لایا اور پھر وہ دونوں راجہ اسٹریٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

”بعض اوقات آپ کی دوڑ دھوپ قطعی غیر ضروری ثابت ہوتی ہے۔“ حمید نے راستے میں کہا
”غیر ضروری سے کیا مراد ہے۔“

”یہی کہ اب آپ وہاں کیا پائیں گے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جرم کرنے والے محکمہ پولیس
سے اپنی چالاکیوں کی داد وصول کرنے کے لئے وہاں اب بھی موجود ہوں گے۔“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ بچہ وہاں کسی دوسری بستی سے لایا گیا ہوگا۔ اگر یہی خیال ہے تو
فضول ہے۔ چور کا دل ہی کتنا۔ ایسے معاملات میں زیادہ دور کا سفر کوئی بھی نہیں اختیار کرتا اور پھر
ایسی صورت میں جب کہ بچہ زندہ بھی ہو۔“

”میرے خدا۔“ حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”تو اب اس وقت گھر گھر کی کنڈی کھٹکھٹائیے گا۔“
”دیکھا جائے گا۔“ فریدی لا پرواہی سے بولا اور سگار سلگانے لگا۔ کار حمید ڈرائیور کر رہا تھا۔ ابھی
زیادہ رات نہیں گزری تھی مشکل سے دس بجے ہوں گے۔ شہر کی رونق میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔
کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ ”راجر اسٹریٹ کی اندرونی گلیاں تو ایسی نہیں
جہاں دولت مند گھرانے آباد ہوں۔ تنگ و تاریک عمارتیں ہیں۔“

”ہاں.... آں....!“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پہلو بدلا.... پتہ نہیں یہ ”ہاں“ حمید کے
جواب میں کہی گئی تھی یا وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

وہ جلد ہی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ حمید نے کار ٹھیک اسی جگہ کھڑی کی جہاں پہلے کھڑی کی تھی۔
دو کانٹیل وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ایک نئی اطلاع دی۔ لیکن اس اطلاع کی وضاحت
نہیں کر سکے۔ ان کے بیان کے مطابق جگہ لیش وغیرہ کسی قریبی عمارت کے فلیٹ میں اس معاملے
کی چھان بین کر رہے تھے۔

ایک کانٹیل نے ان کی رہنمائی کی اور وہ وہاں پہنچ گئے جہاں جگہ لیش نے درجنوں آدمیوں کو
پوچھ گچھ کے لئے روک رکھا تھا۔

”اوہ.... یہ بہت اچھا ہوا۔“ جگہ لیش فریدی کو دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں ابھی آپ کو فون
کرنے والا تھا۔“

”کوئی خاص بات۔“ فریدی نے چاروں طرف ایک اچھتی ہوئی سی نظر ڈال کر کہا۔

”جی ہاں.... میں بتاتا ہوں۔“

وہ اس وقت ایک عمارت کی دوسری منزل پر تھے۔ جگہ لیش، فریدی اور حمید کو ساتھ لے کر
نہیں رہا داری میں ایک طرف چلنے لگا۔

آگے چل کر انہیں ایک فلیٹ کے دروازے پر ایک کانٹیل کھڑا نظر آیا۔

”کیا بتانا چاہتے ہو مجھے۔“ فریدی چلتے چلتے رک کر بولا۔

”میں یہاں تحقیقات کرنے آیا تھا کہ اس فلیٹ کے ایک کرایہ دار نے ایک عجیب اطلاع دی۔“

ان کے بیان کے مطابق پچھلے دو ماہ سے یہاں ایک پراسرار جوڑا آباد رہا ہے۔ عورت حاملہ تھی۔“

”پراسرار جوڑا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”پراسرار کیوں؟ کیا مرد بھی حاملہ یا حامل تھا۔“

”پوری بات سنائیے....“ حمید صاحب۔“ جگہ لیش جھنجھلا گیا۔

اگر فریدی بھی اسے غصیلی نظروں سے نہ گھورنے لگتا تو حمید نے دوبارہ جگہ لیش کی ٹانگ لی

ہوتی۔ فریدی نے سر کی جنبش سے بیان جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

”میں نے اسے پراسرار جوڑا کہہ کر غلطی نہیں کی۔“ جگہ لیش بولا۔ ”پڑوسیوں سے ان کے

حکقات برائے اچھے تھے اور پڑوسی بھی ان کا کافی خیال رکھتے تھے۔ آج یہاں زچگی ہوئی تھی۔“

”زچگی.... لا حول ولا قوت۔“ حمید براسامہ بنا کر پیچھے ہٹ گیا۔

”تم کہتے جاؤ۔“ فریدی جگہ لیش سے بولا۔

”پڑوس کی ایک عورت نے اس سلسلے میں ان کی بہت مدد کی۔“

”جگہ لیش وہ خاص بات بتاؤ جس کے لئے مجھے یہاں لائے ہو۔“ آخر فریدی نے بھی

جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”جناب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زچگی کے بعد پڑوس کی ایک بوڑھی عورت زچہ کے پاس

رک گئی تھی اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ رات اسی کے ساتھ گزارے گی لیکن ابھی ایک گھنٹہ قبل

اپنا کہ اس بوڑھی عورت کے کسی عزیز کو اس سے ملنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے یہاں آکر

دروازے پر دستک دی۔ لیکن جواب نہ دار۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اندر کوئی موجود ہی نہ ہو۔

کافی دیر تک دستک دینے کے بعد بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا.... پھر ایک عورت اندر آگئی۔ پڑوس کی

بوڑھی عورت ایک جگہ فرش پر بیہوش پڑی تھی اور زچہ بچہ، شوہر وغیرہ مع سامان غائب تھے۔“

”شوہر....!“ حمید حلق پھاڑ کر بولا۔

”میں فلیٹ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ بڑھیا کہاں ہے۔“ فریدی نے کہا۔
 ”جب وہ کسی طرح ہوش میں نہ آسکی تو اسے ہسپتال بھیج دیا گیا۔“
 ”خیر..... یہی فلیٹ ہے۔“

”جی ہاں.....!“

”او.....!“ فریدی نے کہا اور فلیٹ میں چلا گیا۔

پھر کافی دیر تک وہ وہاں سرمدتے رہے لیکن ایک مردانہ قمیض کے علاوہ اور کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔
 ”حمید.....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”یہ چوتھی قمیض ہے۔“
 ”ہاں کم از کم ایک درجن تو ہونی ہی چاہئیں..... اور یہ حقیقت ہے یہ قمیض بھی انہیں غنیمتوں کے سائز کی معلوم ہوتی ہے۔“

”آخر یہ قمیضیں اتنی بے دروی سے کیوں استعمال کی گئی ہیں۔“

”دیکھئے میں پھر آپ سے عرض کروں گا کہ یہ کیس جلدیش ہی وغیرہ کے لئے چھوڑ دیجئے آپ کے شلیان شان نہیں۔“

”پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر اب مجھے اپنا خیال بدل دینا پڑا ہے۔“
 ”اگر آپ کو اپنا خیال بدل دینا پڑا ہے تو پھر مجھے بھی اپنا خیال بدل دینا پڑے گا۔“ حمید نے بڑی بے بسی سے کہا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک فریدی وہاں ٹھہر کر لوگوں سے پوچھ گچھ کرتا رہا۔ لیکن یہ کوئی بھی نہ بتا سکا کہ وہ عورت اور مرد کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

حالات پیچیدہ ضرور تھے لیکن سنسنی خیز نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ اسی لئے حمید کی دلچسپی بھی اعتدال سے تجاوز نہیں کر سکی تھی۔ پیچیدگیوں کے باوجود بھی کیس بالکل سیدھا سادہ تھا اور بعد کے واقعات نے بچے کی حیثیت بھی واضح کر دی تھی۔

البتہ فریدی کا ذہن ان قمیضوں میں الجھا ہوا تھا۔

دوسری صبح حمید ویر میں اٹھا..... فریدی ناشتہ کر چکا تھا لیکن ابھی ناشتے کی میز سے اٹھا نہیں تھا۔
 ”ابھی وہ لڑکی آئی تھی۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”لڑکی.....!“ حمید حیرت سے بولا۔ پچھلی رات کے واقعات کسی ادھورے خواب کی طرح

کی یادداشت کے دھندلکوں میں گردش کرنے لگے اور اس نے چپک کر کہا۔ ”واقعی۔“
 ”میں نے اُسے حقیقت بتادی ہے۔“

”یہ بہت بُرا کیا آپ نے۔“

”حمید تم اپنے اس رجحان کی بناء پر کسی دن جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ اسی واقعہ سے تمہیں بہت پکڑنی چاہئے۔“

”میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ میں حسن کو ایک آرٹسٹ کی نظر سے دیکھتا ہوں اور بس اپنے گرد و پیش رنگینیاں چاہتا ہوں..... آدمی اور جانور کا فرق ہر وقت میرے پیش نظر رہتا ہے۔“
 ”اس معاملے میں آدمی اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ خیر اسے جانے دو..... میں دوسرے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ تمہارے خلاف کسی قسم کی سازش ہو۔“

”سازش..... میرے خلاف..... میں نہیں سمجھا۔“

”ہاں..... ہاں..... فرض کرو آج کوئی عورت دعویٰ کرتی ہے کہ وہ بچہ تمہارا تھا تم نے بدنامی سے بچنے کے لئے اُسے زبردستی ماں سے چھین لیا۔“

”اُسے اس کا ثبوت دینا پڑے گا۔“ حمید بولا۔

”ثبوت تم خود ہی مہیا کر چکے ہو۔ تم نے پچھلی رات اسے اپنا بچہ کہا تھا اور ایک عورت تم پر رحم کھا کر اسے تمہارے گھر تک پہنچا گئی تھی۔ تم نے درجنوں آدمیوں کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ وہ تمہارا بچہ ہے۔“

”لیکن کوئی عورت خواہ مخواہ اس کا دعویٰ کرنے ہی کیوں لگی۔“

”بیٹے خاں..... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ یہاں ہمارے ہزاروں دشمن ہیں۔“

”دشمن ہیں تو۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن اس حرکت سے انہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے دشمن تو صرف ہماری زندگیوں ہی کے گاہک ہو سکتے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

اتنے میں نوکروں نے دوسری بار میز پر ناشتہ لگا دیا تھا۔

حمید خاموشی سے پلیٹوں پر ہاتھ صاف کرتا رہا اور فریدی اخبار دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اخبار میز پر پڑھ کر ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔

”کیا بات ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”پتہ نہیں یہ آدمیوں کی سوسائٹی ہے یا جانوروں کا ریوڑ۔ اخبار اٹھاؤ..... تو..... قتل و غول اغواء اور عصمت دری کے علاوہ اور کسی قسم کی خبریں نہیں دکھائی دیتیں۔“

”آخر اس کی وجہ کیا ہے۔“

”مستقبل کی طرف سے بے اطمینانی خود اعتمادی کا فقدان۔“

”اس کا علاج بھی ہے کوئی۔“

”شانی علاج ہے۔ مگر یہ دور ہے نئے تجربات کا۔ ایک اسٹیج پر نئے تجربات بھی ختم ہو جائیں گے اس کے بعد پھر اسی دنیوی علاج کی طرف دنیا دوڑے گی۔“

”اعتماد قناعت اور جہد مسلسل۔“

”بس قناعت کا تو نام ہی نہ لیجئے۔“ حمید براسامہ بنا کر بولا۔ ”اس لفظ سے جلے ہوئے خیر کی بو آتی ہے۔“

”تمہارے ذہن میں قناعت کا تصور بہت ہی گھٹیا قسم کا معلوم ہوتا ہے۔ قناعت سے شائد تم یہ مراد لیتے ہو کہ آدمی تارک الدنیا ہو جائے۔ ملے تو کھائے ورنہ فاقے کرے۔ حالانکہ قناعت کا یہ مطلب نہیں ہے۔ قناعت کا مطلب ہوس سے دامن بچانا ہے۔“

”کچھ اُس بچے کے متعلق بھی فرمائیے اس کے سلسلے میں قناعت کس طرح بروئے کار لائی جاسکتی ہے۔“

”بالکل اسی طرح جیسے تم بھوک کی شدت میں نالیوں کا کچر نہیں چاٹنا شروع کر دیتے اگر اس سلسلے میں تمہیں مستقبل سے اچھی توقعات نہ ہوں تو تم یہ بھی کر سکتے ہو۔“

”بڑی گنگل بات ہے۔ اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں۔ خیر ماریے گولی میں اس وقت خشک قسم کی باتوں کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”تمہیں اب اپنی غلط قسم کی حسن پرستی سے باز آنا ہی پڑے گا ورنہ.....!“

”اوہو..... سنئے تو..... بابا.....!“ حمید نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ ”ڈرا سنئے تو..... کتنا

شاندار دیہاتی پروگرام ہو رہا ہے۔“

آج اتوار تھا اور فریدی کے ملازمین قریب ہی کے ایک کمرے میں ریڈیو پر دیہاتی پروگرام

سن رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت اناؤنسر کی آواز سنائی دی۔ ابھی آپ دھویوں کے گیت سن رہے تھے اب ایک ضروری اعلان سنئے۔ ہمارے ملک کے آئرن پرنس مسٹر آئی۔ جے خاور اطلاع دیتے ہیں کہ کل شام کوریلوے اسٹیشن سے ان کا ایک سوٹ کیس گم ہو گیا ہے جس میں کچھ استعمالی کپڑے، کچھ کاغذات اور چند بیش قیمت انگشتریاں تھیں۔ مسٹر خاور اعلان کرتے ہیں کہ سوٹ کیس ان تک پہنچانے کے والے کو مبلغ دو ہزار روپے انعام دیئے جائیں گے۔ اگر صرف کاغذات ہی پہنچا دیئے جائیں تب بھی پہنچانے والا اسی انعام کا مستحق ہو گا اور اُس سے بقیہ دوسری چیزوں کے متعلق باز پرس نہ کی جائے گی۔

قارون کا مقبرہ

اعلان ختم ہو جانے کے بعد پھر پروگرام شروع ہو گیا۔ اس بار چاروں کا ناچ نشر ہو رہا تھا۔ ”یہ مردنگ بھی بڑے غضب کی چیز ہوتی ہے۔“ حمید مردنگ کی تھاپوں پر سر ہلاتا ہوا بولا۔

”اور اس سے پہلے کے اعلان کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”مضحکہ خیز.....!“ حمید نے کافی اٹھیلے ہوئے کہا۔

”مضحکہ خیز کیوں؟“

”سوٹ کیس جس کے بھی ہاتھ لگا ہو گا وہ واپس کیوں کرنے لگا۔“

”دو ہزار کے انعام کا اعلان تھا۔“

”بندل.....!“ حمید منہ بنا کر بولا۔ ”صرف کاغذات پہنچا دینے پر بھی انعام کی رقم بدستور برقرار رہے گی اور پہنچانے والے سے بقیہ دوسری چیزوں کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔“

”ہو سکتا ہے کہ کاغذات دوسری چیزوں سے زیادہ اہم ہوں۔“

”ٹھہریئے۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آخر آپ کا ایک اس اعلان کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔“

”محض اس لئے کہ آئی۔ جے خاور کی گمشدہ انگشتریوں میں سے ایک منیرے پاس ہے۔“

”کیا مطلب.....!“ حمید کافی کی بیالی رکھ کر فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

فریدی نے جیب سے ایک انگشتری نکال کر میز پر ڈال دی۔ یہ وہی یا قوت کی انگشتری تھی جو

اسے پچھلے رات پورچ میں پڑی ہوئی ملی تھی۔
 ”اسے دیکھو.....! اندر کی طرف آئی جے کے حروف کندہ ہیں۔ عشرت جمیل خاور کیا تم نے اسے کبھی دیکھا ہے۔“

”اتفاق نہیں ہوا۔“ حمید نے جواب دیا۔

”لوہے کا سب سے بڑا تاجر..... اور لوہا پگھلانے کی بھٹی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ گول منول اس کے ہاتھوں کے لئے ایسی ڈبل روٹیوں کا تصور کرد جن میں پانچ پانچ شاخیں نکل آئی ہوں..... پھر اس کے بعد اس انگشتی کو دیکھو..... غیر معمولی حد تک موٹی انگلیوں ہی میں آسکے گی۔“

”چلئے مان گیا..... لیکن اگر یہ اعلان آپ نہ سنتے تو.....!“

”آئی جے کے سے کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکتا۔ شہر میں خاور جیسے درجنوں موٹے ہوں گے۔“
 ”بہر حال۔“ حمید ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”اگر یہ انگشتی خاور ہی کی ہے تو اس کی کھوپڑی میں بھی مغز کے بجائے لوہے کا براہ ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”ہاں یہ اعلان تو یہی ظاہر کرتا ہے..... ہو سکتا ہے کہ اخبار میں بھی اشتہار ہو۔ ذرا اشتہارات کا صفحہ تو دیکھو۔“

حمید اخبار کے صفحات اٹھنے لگا۔

”آپ کا خیال بالکل درست ہے۔“ اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”اشتہار کے وہی الفاظ ہیں جو ہم ابھی ریڈیو پر سن چکے ہیں۔“

”ٹھیک۔“ فریدی کر سی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔ ”معاملہ دلچسپ ہے۔“ وہ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔

”دال ذرا مشکل ہی سے گلے گی۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”وہ بہت بڑا آدمی ہے۔“

”مجھے تاؤ دلار ہے ہو۔“ فریدی نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”تاؤ نہیں دلار ہاں، حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ اگر وہ واقعی مجرم ہے تو اس کی دیدہ دلیری کی داد دینی پڑے گی جناب۔“

”اوہو..... ایک معمولی سا چور بھی اپنی گلو خلاصی کے لئے ہاتھ پیر ضرور مارتا ہے۔ لیکن

بہ صاحب مجھے یہ چار عدد قمیضیں الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔ انگوٹھی ہاتھ سے نکل کر گر سکتی ہے لیکن قمیض..... اور قمیض بھی وہ جن پر شہر کی سب سے مشہور ٹیلرنگ شاپ کے لیبل لگے ہوئے ہیں۔ یعنی وہاں سے قمیضوں کے مالک کا پتہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ آج تو دوکان بند ہوگی۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں اتوار کو ساری بڑی دوکانیں بند رہتی ہیں۔ لیکن ہمیں خاور سے ضرور ملنا چاہئے۔“

”اس کا آفس بھی تو بند ہوگا۔“

”فکر نہ کرو..... میں اس کی رہائش گاہ سے واقف ہوں۔ روشن محل میں رہتا ہے۔“

”افسوس اتوار بھی ہاتھ سے گیا۔“ حمید سر پیٹ کر بولا۔

”چلو اٹھو! بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی گھڑی دیکتا ہوا بولا۔ ”کپڑے تبدیل کرنے کے لئے صرف آدھا گھنٹہ دے سکتا ہوں۔“

حمید چیخا چلاتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

روشن محل شہر کی ایک عظیم الشان عمارت تھی اور اس میں ملک کا سب سے بڑا لوہے کا تاجر عشرت جمیل خاور رہتا تھا۔

فریدی اور حمید کو زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ملازم نے انہیں روشن محل کی شاندار

اسٹڈی میں پہنچا دیا۔ وہاں شاید دس منٹ تک انہیں خاور کی آمد کا انتظار کرنا پڑا۔

حمید نے اسٹڈی میں داخل ہونے والے انسان نما تو دے کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ خاور کا قد

پانچ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ مگر پھیلاؤ..... خدا کی پناہ.....!

چلنے کا انداز ایسا تھا جیسے پیروں میں چھوٹے چھوٹے پہیے لگے ہوں اور وہ چلنے کی بجائے پھسل

رہا ہو۔

”آ..... آ..... آ..... فوں..... آ.....“ وہ صوفے پر گر کر ہانپتا ہوا بولا۔ ”فرمائیے کرمل

صاحب..... آفوں..... کیسے تکلیف..... فرمائی..... آفوں..... آ..... فوں۔“

”میں نے ریڈیو پر آپ کا اعلان سنا تھا۔“

”اوہ..... بہت..... آفوں..... شکریہ..... آپ نے توجہ فرمائی..... آ..... فوں..... خوش

نصیبی ہے میری..... آ..... فوں۔“

”غالباً یہ انگشتی آپ کی ہے۔“ فریدی نے جیب سے انگشتی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں.... میری ہے۔“ وہ اسے اٹھنے پلٹنے لگا۔ پھر جلدی سے بولا۔ ”اوہ تو آپ کو سوٹ کیس مل گیا ہے۔“

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور اس نے قمیضوں کا بنڈل فریدی کی طرف بڑھادیا۔ ”اور یہ قمیضیں بھی غالباً آپ ہی کی ہیں۔“ وہ تہہ کی ہوئی قمیضیں اس کے پیروں کے پار فرش پر ڈالتا ہوا بولا۔

”میں یہ سب نہیں۔ کاغذات چاہتا ہوں کر ٹل صاحب.... آ.... فوں.... قمیض میری ہیں اور اسی سوٹ کیس.... آ.... فوں.... میں تھیں.... میں بھلا آپ کو انعام دینے کی جرات کیا کروں گا.... البتہ آپ کا احسان.... زندگی بھر یاد رہے گا۔“

”مجھے افسوس ہے کہ مجھے صرف یہی چیزیں مل سکی ہیں۔ سوٹ کیس یا کاغذات میری فوں سے نہیں گذرے۔“

”پھر یہ چیزیں آپ کو کیسے ملیں.... آفوں.... فوں۔“

”ایک نوزائیدہ بچہ انہیں قمیضوں میں لپٹا ہوا پڑا ہوا تھا اور انگشتی بھی انہیں قمیضوں میں تھی۔“ ”نوزائیدہ بچہ۔“ خاور حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ کمرے کے سکوت میں اس کی مسلسل ”آ.... فوں“ گونج رہی تھی۔

”جی ہاں.... یہ پچھلی رات کی بات ہے۔ کسی نامعلوم آدمی نے بچے کو کیپٹن حمید کی کارٹر میں ڈال دیا تھا۔“

”والا بھی تو آپ ہی لوگوں کی کار میں۔ خدا کی پناہ۔“ خاور نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ ”آپ کا سوٹ کیس کن حالات میں کھویا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ریلوے اسٹیشن سے.... میں کل شام کو تار جام سے واپس آیا تھا۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہی سوٹ کیس غائب ہے جس میں بہت ہی ضروری قسم کے کاغذات تھے۔“

”اس نوزائیدہ بچے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

خاور نے اس کا جواب فوراً ہی نہیں دیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا اور اس کی پلکیں

مرح جھپک رہی تھیں جیسے وہ اس سوال پر غور کر رہا ہو۔

”کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق میری ذات سے ہو گا۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ ”نہیں! میں قبل از وقت کچھ نہیں سمجھتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اس واقعے کی تحقیقات کر رہا ہوں۔“

”میں اس نوزائیدہ بچے کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ شاید کوئی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن یہ اس کی خام خیالی ہے۔ میں نہیں پھنسن سکتا۔ پہلے میں سمجھا تھا شاید سوٹ کیس کاغذات کے لئے اڑایا گیا ہے.... مگر اب.... میرے خدا....!“

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا.... پھر بے چینی سے پہلو بدل کر اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”میں معاملات کی تہہ تک پہنچ رہا ہوں۔“

”کیسے معاملات.... اگر بہت زیادہ نجی نہ ہوں تو مجھے بھی آگاہ کیجئے۔“

”آگاہ کرنا ہی پڑے گا۔ یقیناً مجھ پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔“

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ حمید اس کے چہرے میں ایک خاص بات محسوس کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ اس کے چہرے سے جذباتی تغیر کا اظہار قطعی نہیں ہوتا تھا۔

”میں بہت بد نصیب آدمی ہوں۔“ خاور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”اور کوئی میری اس بد نصیبی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ میں لاؤلب ہوں۔ دوسری بات ابھی حال ہی میں دو سال کی طویل رنجش کے بعد میری بیوی یہاں آنے پر راضی ہوئی ہے شاید دو یا تین دن بعد آجائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات بھی کسی کو ناگوار گذری ہو۔ وہ نہ چاہتا ہو کہ ہم دونوں صلح و آشتی کی زندگی بسر کر سکیں۔“

”تو کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی نہیں.... وہ دو سال سے مجھ سے الگ ہے۔ سعید آباد میں اپنے والدین کے ساتھ مقیم ہے۔ میں نے کبھی سختی نہیں کی۔ اس کے اخراجات بھی پورے کرتا رہا ہوں ہاں البتہ اس دو سال کے عرصے میں کبھی اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔“

”اور اب وہ خود ہی آنا چاہتی ہیں یا اسکی تحریک آپ کی طرف سے ہوئی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔ ”دیکھئے.... میں نے ہمیشہ یہی چاہا ہے کہ ہم دونوں میں رنجش باقی نہ رہے لیکن وہ ذرا تیز

بنے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

واپسی پر حمید نری طرح قہقہے لگا رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

”کمال ہے.... اور مجھے اپنی قسمت پر بھی رونا آرہا ہے کہ اس شہر کا باشندہ ہونے کے باوجود

ہی میں قارون کے مقبرے کی زیارت نہ کر سکا تھا۔“

”قارون کے مقبرے کی دوا نہیں دی جاسکتی حمید۔“ فریدی تحسین آمیز لہجے میں بولا۔

”ہس کے لئے اس سے بہتر تشبیہ کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔ بعض اوقات تمہاری ذہانت کا بھی

ڈنک ہونا پڑتا ہے۔“

”اور یہ مقبرہ بد تمیز اور بد اخلاق بھی ہے۔“ حمید چمک کر بولا۔

”نہیں.... یہ بات تو نہیں۔“

”ہے کیوں نہیں.... اُسے کم از کم کھڑے ہو کر ہم سے مصافحہ کرنا چاہئے تھا۔“

”اوہ.... تم دراصل اُس بیچارے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہ خود سے کھڑا ہی نہیں

ہو سکتا۔ جہاں بیٹھ گیا بیٹھ گیا۔ پھر دو تین نوکر مل کر اُسے اٹھاتے ہیں۔ ہمارے چلے آنے کے بعد

اُسے نوکروں نے اٹھایا ہو گا۔“

”ہمارے مقدر میں بھی عجوبے ہی لکھے ہوئے ہیں۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ مگر اس

کے متعلق آپ کے خیالات کیا ہیں۔

”اس واقعے سے اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ اپنی قمیض نہ

استعمال کرتا۔ اور اگر سہو ایسا ہو بھی گیا ہو تا تو سوٹ کیس کی گمشدگی کا اعلان کبھی نہ کرتا۔“

”اوہ ٹھیک یاد آیا۔ آپ نے ان کاغذات کے متعلق اس سے کچھ نہیں پوچھا۔“

”وہ میرے لئے غیر ضروری ہیں۔“

”اچھا اگر اس نے محض بکواس کی ہو تو۔“

”تب بھی میرے موجودہ رویے سے کیس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا

چاہتا تھا کہ انگشتی اور قمیض اسی کی ہیں یا نہیں۔“

”اچھا.... اب.... دوسرا قدم۔“

”فی الحال ہم اس ہسپتال تک جائیں گے جہاں وہ بڑھیا زیر علاج ہے۔“

مزاج کی ہے۔ قوت برداشت بالکل نہیں رکھتی۔ میں بہت نرمی سے پیش آتا ہوں اس کے باوجود بھی.... خیر چھوڑیے۔“

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“ فریدی نے اُسے ٹوکا۔

”کس سوال کا....؟“

”یہی کہ وہ خود سے آنا چاہتی ہیں یا آپ نے اس پر زور دیا۔“

”نہیں وہ خود ہی آنا چاہتی ہے۔“

”بہر حال آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی یا تو اپنا بچہ آپ کے سر تھوپنا چاہتا ہے یا یہ چاہتا ہے

کہ آپ دونوں کے تعلقات طلاق پر ختم ہو جائیں۔“

”ٹھیک بالکل یہی بات ہے کرمل صاحب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ اس کیس کی تفتیش کر رہے

ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔“

”کیا آپ اپنے کسی ایسے دشمن کا پتہ بتا سکتے ہیں جس کی طرف سے آپ کو اس قسم کے

خدشات لاحق ہوں۔“

”ہاں میں بتا سکتا ہوں۔ لیکن آپ اُس پر میرا نام نہ ظاہر کیجئے گا۔“

”یہ میرے محکمے کا مخصوص ترین اصول ہے۔“

”اچھا تو سنئے.... وہ میرا سوتیلا بھانجا ضیغم ہے۔ اسٹار سرکس کا مالک۔ جانوروں کی صحبت میں

خود بھی جانور ہو گیا ہے۔ مجھ سے خدا واسطے کا بیر رکھتا ہے۔ اور یہ بات بھی کھلی ہوئی ہے کہ اگر

میں لا ولد مر جاؤں تو میرے ترکے کا مالک وہی ہو گا۔“

”ضیغم....!“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر خاد سے بولا۔ ”اچھا جناب۔ فی الحال یہ قمیض

اور انگشتی میرے ہی پاس رہیں گی۔“ فریدی بولا۔

”ضرور ضرور.... شوق سے.... میں بھی آپ سے ملتا ہوں گا۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ جب میں مناسب سمجھوں گا خود ہی مل لوں گا۔“

اس دوران میں حمید بڑی توجہ اور دلچسپی سے خاد کو دیکھتا رہا تھا اور اب وہ ایک بار پھر اس

کے چلنے کا منظر دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن خاد ان کی ردا گئی کے وقت بھی صوفے سے نہ اٹھا۔ بیٹھے ہی

”اوہ.... ہاں.... آپ کو سب سے پہلے اسی سے ملنا چاہئے تھا۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔
”ضیغ کو جانتے ہو۔“

”جانتا چہ معنی دارد! کئی بار سوچ چکا ہوں کہ اسے دو چار دن کے لئے بند کر دوں۔“
”کیوں؟“

”پرلے سرے کا بد تمیز اور شنی خورہ ہے۔ اس طرح سینہ تان کر چلتا ہے جیسے اس کی نکر آج تک کوئی پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ طاقت پر بڑا گھمنڈ ہے۔ لڑکیوں کے سامنے خاص طور سے شیخاں بگھارتا ہے۔ بڑے فخر سے کہتا ہے کہ شیروں سے کشتی لڑنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔“
”وہ غلط تو نہیں کہتا۔“

”سرکس کے شیر اور بار برداری کے گدھے میں کیا فرق ہوتا ہے۔“ حمید بر اسامہ بنا کر بولا۔
”لیکن آخر تمہیں اس سے اتنی پر خاش کیوں ہے۔“
”بس ہے.... وجہ میں خود نہیں جانتا۔“

”وجہ یقیناً کوئی لڑکی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی کے سرکس کی کوئی لڑکی ہو۔“
”لڑکیوں کی وجہ سے کسی سے پر خاش رکھنا میرا شیوہ نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ اگر مجھے کبھی کسی بس پر جگہ نہ ملے تو میں بس کنڈیکٹر کا دشمن ہو جاؤں۔“
”اچھا بس! اب اس بات کو یہیں ختم کر دو۔ ورنہ تمہیں بکواس کے لئے موضوع مل جائے گا۔ میں خاموشی کے موڈ میں ہوں۔“

حمید بر اسامہ بنا کر کار کے باہر دیکھنے لگا۔ لیکن پھر جلد ہی پلٹ کر بولا۔
”ضیغ سے کب مل رہے ہیں۔“
”اگر ضرورت سمجھی تو طولوں گا ورنہ نہیں۔“

حمید خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بول ہسپتال پہنچ گئے.... لیکن انہیں ایک غیر متوقع خبر سے دوچار ہونا پڑا.... بڑھیا مرچکی تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اسے گلا گھونٹ کر بیہوش کیا گیا تھا اور غالباً اسی بناء پر اسکے پیپروں کی بعض رگیں پھٹ گئی تھیں۔ صبح تک ناک اور منہ سے خون جاری رہا تھا۔ صبح

ی وہ چل بسی تھی۔ ڈاکٹر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پولیس اس کا بیان لینے میں ناکام رہی تھی۔
اسکے بعد فریدی نے ان نرسوں سے پوچھ گچھ شروع کی جو رات بھر اس کے قریب رہی تھیں۔
”اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔“ میٹرن نے فریدی کو بتایا۔ ”ہوش اور بیہوشی کی کش رات بھر جاری رہی تھی اور وہ بے تحاشہ ہڈیاں بکتی رہتی تھی۔“
”یاد کرو....!“ فریدی بولا۔ ”کیا کہتی تھی۔“

”بے تنگی باتیں.... مثلاً.... ارے ارے.... پاگل ہوئے ہو.... نکل جاؤ یہاں سے۔“
”ہٹاؤ.... کیمرو ہٹالے جاؤ.... زیادہ تر وہ یہی چیختی تھی.... کیمرو ہٹاؤ.... بے شرم کہیں کے کیمرو ہٹاؤ۔“

دوسرے دلائل

تھوڑی دیر بعد وہ پھر سڑکیں ناپ رہے تھے۔ لیکن شاید اس وقت ان میں سے کوئی بھی تشو کے موڈ میں نہیں تھا۔ دونوں ہی بڑھیا کے ہڈیاں میں الجھے ہوئے تھے
”اب کیا ارادہ ہے۔“ تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔
”سوچ رہا ہوں کہ ضیغ سے بھی مل لوں۔“
”اچھا یہ بتائیے کیا آپ بڑھیا کے ہڈیاں کو اہمیت دے رہے ہیں۔“
”اہمیت دی بھی جاسکتی ہے اور نہیں بھی۔“

”واضح بات۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”واضح ترین بات یہ ہے کہ ابھی یہ کیس خود برے ہی ذہن میں صاف نہیں ہے۔ کئی الجھاوے ہیں۔ کئی سوالات ہیں.... بے شمار۔“
”آج آپ کوئی واضح بات نہیں کہہ رہے ہیں۔“
اس نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

”ہائے! آج اتوار ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”دفتر کے چہرے اسی بھی آج ہی مون منارہے ہوں گے.... لیکن میں نابکار....!“
اس نے بھی جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ فریدی نے لفظ ”بے شمار“ پر تان توڑی تھی اور حمید نے نابکار“ پر اختتام کیا۔

مگر فریدی اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اُسے حمید کی آواز بھی نہیں سنائی دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے چونک کر کہا: ”نہیں.... وہ حنیف نہیں ہو سکتا۔ فرد کا جو طبع مل جاتا ہے کسی طرح بھی حنیف اس پر پورا نہیں اترتا۔“

”میک اپ سرکار....!“ حمید بولا۔ ”حنیف بولا اچھا بہر دیا ہے۔“

”اتنا اچھا بھی نہیں ہے کہ اپنے سر کی مخصوص بناوٹ کو چھپالے جائے۔ اُس کا پورا چہرہ ہی اس قابل نہیں ہے کہ اس پر کامیاب قسم کا میک اپ کیا جاسکے۔ لہذا وہ اس قسم کا خطرہ مول لے ہی نہیں سکتا۔“

”تب تو پھر مجھے کہنے دیجئے کہ آپ حشر تک اصل مجرم کا پتہ نہ لگا سکیں گے۔“

”کیوں....؟“

”ظاہر ہے کہ اب مجرم عام آدمیوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا ہو گا۔ خاور بھی بتائے ہوئے ملے گا نہیں ہے۔ رہ گئی عورت تو.... اس کا ملنا بھی محال ہے۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے کر گذشتہ کارناموں پر خاک نہ ڈالئے۔ اس قسم کی چوری چکاری کے کیس سول پولیس ہی کے لئے مناسب ہیں۔“

”حمید! یہ کیس سول پولیس کے بس کا نہیں ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔ ایسے ہی درجنوں کیس ہیں جن میں پولیس آج تک ناکام رہی ہے۔ شرم میں آئے دن نوزائیدہ بچے زندہ یا مردہ شاہراہوں پر پڑے پائے جاتے ہیں۔ لیکن پولیس.... کیا ایک فیصدی کامیابی بھی پولیس کے حصے میں آئی ہے؟“

”نہیک ہے! لیکن اس کیس کی نوعیت ہی الگ ہے۔“

”کیس آپ کے ذہن میں صاف بھی نہیں ہے اور آپ اس کی نوعیت سے بھی واقف ہیں۔ عجیب بات ہے.... اگر.... ہاں۔ کتنا حسین چہرہ گذر گیا ایسے موقعوں پر گاڑی کی رفتار ذرا کم کر دیا کیجئے۔“

”کیس کی نوعیت۔“ فریدی اس کی بعد کی بکواس پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ ”اچھا سنو! خاور گنبد ضرور ہے لیکن اس کی بالائی منزل خالی نہیں معلوم ہوتی۔ وہ ایک حد تک کافی چالاک بھی ہے۔ اگر یہ حرکت اس کی ہوتی تو وہ اُسے اپنی قمیضوں میں لپیٹ کر نہ پھینکتا۔ اور اگر ایسی حماقت ہو بھی جاتی تو وہ اپنے گمشدہ سوٹ کیس کے متعلق ہر گز اعلان نہ کراتا۔ اچھا چلو خود اُسی کے بیان

”حمید! یہ کیس سول پولیس کے بس کا نہیں ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔ ایسے ہی درجنوں کیس ہیں جن میں پولیس آج تک ناکام رہی ہے۔ شرم میں آئے دن نوزائیدہ بچے زندہ یا مردہ شاہراہوں پر پڑے پائے جاتے ہیں۔ لیکن پولیس.... کیا ایک فیصدی کامیابی بھی پولیس کے حصے میں آئی ہے؟“

”نہیک ہے! لیکن اس کیس کی نوعیت ہی الگ ہے۔“

”کیس آپ کے ذہن میں صاف بھی نہیں ہے اور آپ اس کی نوعیت سے بھی واقف ہیں۔ عجیب بات ہے.... اگر.... ہاں۔ کتنا حسین چہرہ گذر گیا ایسے موقعوں پر گاڑی کی رفتار ذرا کم کر دیا کیجئے۔“

”کیس کی نوعیت۔“ فریدی اس کی بعد کی بکواس پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ ”اچھا سنو! خاور گنبد ضرور ہے لیکن اس کی بالائی منزل خالی نہیں معلوم ہوتی۔ وہ ایک حد تک کافی چالاک بھی ہے۔ اگر یہ حرکت اس کی ہوتی تو وہ اُسے اپنی قمیضوں میں لپیٹ کر نہ پھینکتا۔ اور اگر ایسی حماقت ہو بھی جاتی تو وہ اپنے گمشدہ سوٹ کیس کے متعلق ہر گز اعلان نہ کراتا۔ اچھا چلو خود اُسی کے بیان

”اُسے اگر اس بات کا علم ہوتا کہ خاور سوٹ کیس کی گمشدگی کا اعلان کر اُوے گا تو شاید وہ کوئی دوسرا طریق کار اختیار کرتا۔“ حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

”ہاں بات معقول ہے۔ اسے تسلیم کیا جاسکتا ہے ممکن ہے اسے علم نہ رہا ہو کہ اسی سوٹ کیس میں کپڑوں کے علاوہ کچھ ایسے کاغذات بھی ہیں جو بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی گمشدگی خاور کو اعلان کرانے پر مجبور کر سکتی ہے۔ لیکن یہ تو سوچو کہ اعلان نہ ہونے کی صورت میں کیا پولیس خاور تک پہنچ سکتی تھی؟“

”قطعی پہنچ سکتی تھی۔“ حمید نے کہا۔ ”اور یہ خود آپ کی کہی ہوئی بات ہے کہ جس ٹیلنگ ٹاپ میں قریبتدار کی گئی ہیں اسی کے ذریعہ خاور کا پتہ معلوم کیا جاسکتا ہے۔“

”لیکن اگر اس نے یہ حرکت پولیس کے علم میں لانے ہی کے لئے تھی تو پھر اس کی افادیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔“

”کیوں....؟“

”ذرا کھوپڑی استعمال کرو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”کثرت استعمال کی بناء پر اب وہ استعمال کے قابل ہی نہیں رہ گئی ہے۔“

”بکواس مت کرو۔ کیا تم اتنا نہیں سوچ سکتے کہ مجرم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ فائدہ اس صورت میں پہنچتا جب وہ اسے تمہاری کار میں پھینکنے کی بجائے خاور کی کوشی میں پھینکتا اور عورت اُسے خاور کا بچہ ثابت کر کے اس کا اعلان کر دینے کی دھمکی دیتی۔ اس طرح وہ خاور سے کافی روپیہ ایٹھ سکتے تھے۔“

”چلے میں اسے تسلیم کئے لیتا ہوں کہ اس جرم کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا۔“ حمید نے کہا۔

”ذرا کھوپڑی استعمال کرو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”کثرت استعمال کی بناء پر اب وہ استعمال کے قابل ہی نہیں رہ گئی ہے۔“

”بکواس مت کرو۔ کیا تم اتنا نہیں سوچ سکتے کہ مجرم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ فائدہ اس صورت میں پہنچتا جب وہ اسے تمہاری کار میں پھینکنے کی بجائے خاور کی کوشی میں پھینکتا اور عورت اُسے خاور کا بچہ ثابت کر کے اس کا اعلان کر دینے کی دھمکی دیتی۔ اس طرح وہ خاور سے کافی روپیہ ایٹھ سکتے تھے۔“

”چلے میں اسے تسلیم کئے لیتا ہوں کہ اس جرم کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا۔“ حمید نے کہا۔

”لیکن خاور نے تو ایک بات اور کہی تھی.... یعنی اس طرح کوئی دشمن اس کی بیوی کو اس سے دور ہی رکھنا چاہتا ہے۔“

”اس مسئلے پر تو ابھی گفتگو ہی نہیں کی جاسکتی۔“

”کیوں....؟“

”ہم اس کی بیوی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ نہ ہمیں یہی معلوم کہ ان دونوں کے درمیان میں ناجاقتی کی وجہ کیا ہے۔“

”اسے معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

”قطعی ہے.... اگر ناجاقتی کی وجہ خاور کی جنسی بے راہ روی ہے تب تو اس واقعے کا اثر ان کے تعلقات پر پڑ سکتا ہے۔ ورنہ نہیں.... سینکڑوں آدمی روزانہ اس قسم کی حرکتیں کیا کرتے ہیں لیکن ان کی بیویاں اس بناء پر ان سے قطع تعلق نہیں کر لیتیں۔“

”تو اب آپ اس کی بیوی کی بھی ہسٹری کھنگالیں گے۔“

”یقیناً وہ تو کرنا ہی پڑے گا.... جرم کا مقصد معلوم کئے بغیر جرم کا سراغ مشکل ہی سے ملتا ہے۔“ حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کیڈی اشار سر کس کمپنی کے آفس کے سامنے رک گئی۔ یہ دفتر اتوار کو بھی کھلا رہتا تھا۔ ضیغ دفتر ہی میں موجود تھا۔

اس کی عمر چالیس کے قریب رہی ہوگی۔ کچھ شیم اور ورزشی جسم کا آدمی تھا۔ جیزوں کے بھاری پن کے مقابلے میں اس کا سر اتنا چھوٹا تھا کہ غیر متناسب معلوم ہوتا تھا ہونٹ پتلے اور اندر کی طرف دھنسنے ہوئے تھے۔ رنگت سفید لیکن صحت آمیز سرخی کی حامل تھی۔ جب وہ گفتگو کرتا تو اس کے سارے دانت پورے طور پر نمایاں ہو جاتے۔ سفید اور چمکیلے دانت لیکن اسے گفتگو کرتے دیکھ کر کسی ایسے بھیڑیے کا تصور ذہن میں ضرور پیدا ہوتا تھا جو اپنے شکار کی ہڈیاں چبا رہا ہو۔ اس کے لہجے میں بھی عموماً بڑی تلخی ہوا کرتی تھی.... ظاہری بناوٹ کے ساتھ ہی ساتھ اس کی ذہنی ساخت بھی عجیب تھی.... اس کی کھوپڑی میں یہ خیال برف کی طرح منجمد ہو کر رہ گیا تھا کہ وہ دنیا کے ہر آدمی کو طاقت سے زیر کر سکتا ہے۔

فریدی اور حمید کو دیکھ کر اس نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔

فریدی جو بشرہ شناسی میں ماہر تھا جلدی سے بولا۔ ”ہم دراصل ایک انکوائری کے سلسلے میں

”ہیں۔“

”جب آپ جیسے حضرات انکوائری کے سلسلے میں آئیں تو معاملہ بڑا ہی ہو سکتا ہے....“

”ہاں،“ ضیغ ان کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتا ہوا بولا۔

”شکریہ....! میں سگار پیتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا آپ آئرن پرنس مسٹر خاور کے

چلن کے متعلق کچھ بتا سکیں گے۔“

”خاور کا چال چلن!“ ضیغ نے حیرت سے کہا۔ پھر بے تحاشہ ہنس پڑا۔ اس کا نہ ختم ہونے

الغبتہ کسی لکڑکچھے کی غراہٹ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا تھا۔

”خدا کی شان ہے کہ اب خاور جیسے لوگ بھی چال چلن کے قابل ہونے لگے۔“ اس نے کچھ

پر بعد کہا۔

فریدی اس کے جواب میں کچھ نہیں بولا۔ شاید یہ بات ضیغ کے لئے خلاف توقع تھی۔ وہ

سنا انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اپنے جیلے پر فریدی کا ریمارک سننے کا متنی ہو۔

پھر اس نے خود ہی کہا۔ ”لیکن آپ نے اس کے چال چلن کی تصدیق کرنے کے لئے اس

ناکسار کو کیوں منتخب فرمایا ہے۔“ اس کے لہجے میں تلخی کے ساتھ ہی ساتھ ایک قسم کا چیلنج بھی تھا۔

”محض اسلئے کہ آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

”تب پھر میں اس کے خلاف غلط باتیں بھی کہہ سکتا ہوں۔“

”غلط باتوں میں بھی کچھ درست ہوتی ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اور مجھ میں اتنا سلیقہ

ہے کہ میں اپنے کام کی باتیں منتخب کر سکوں۔“

”بات کیا ہے؟“ ضیغ فریدی کو گھورنے لگا۔

”نہایت اہم! پچھلی رات کو ہمیں ایک نوزائیدہ بچہ ملا ہے جسے چند قمیضوں میں لپیٹ کر کہیں

ڈال دیا گیا تھا.... اور وہ قمیضیں خاور کی ہیں۔“

”کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ قمیضیں خاور ہی کی ہیں۔“

”مجھے یقین ہے.... صرف مجھے ہی نہیں خاور کو بھی یقین ہے کہ وہ قمیضیں اسی کی ہیں۔“

ضیغ بے تحاشہ ہنس پڑا۔ وہ کافی دیر تک ہنستا رہا.... حمید دل ہی دل میں بچا و تاب کھا رہا

تھا۔ کیونکہ اس کے ہنسنے کا انداز بڑا توہین آمیز تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نادان

بچے کی حماقت آمیز گفتگو پر قہقہہ لگا رہا ہو۔

فریدی کے رویے میں البتہ کسی قسم کا بھی تغیر نہیں واقع ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر نرمی کے آثار تھے اور آنکھوں سے بے تعلقی جھلک رہی تھی۔

”اب میں سمجھ گیا۔“ ضیغم بدستور ہنستا ہوا بولا۔ ”آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔“

”کیوں! وقت کیوں ضائع کر رہا ہوں۔“

”آپ خاور کے حالات سے واقف نہیں۔ وہ اس بچے کا باپ ہر گز نہیں ہو سکتا اس میں باپ بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ حرکت بھی اس کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔“

”آپ دو متضاد باتیں کہہ رہے ہیں۔“

”اوبابا! وہ بچہ کسی اور کا ہو گا۔ خاور اسے اپنا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔“

”یعنی خود ہی اپنی گردن پھنسانا چاہتا ہے۔“ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”بھلا اس کی گردن کیا پھنسنے گی۔ دو چار ہزر روپے دے کر معاملہ برابر کرا لے گا۔ کر دڑ پتی ہے بابا۔“

”لیکن وہ یہ سب کچھ کرے گا ہی کیوں؟ کیا اس میں اس کی بدنامی نہیں۔“

”بدنامی....!“ ضیغم ہنس پڑا۔

”کیا لفظ بدنامی پر آپ کو ہنسی آرہی ہے مسٹر ضیغم۔“ حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

”نہیں کیپٹن حمید مجھے آپ لوگوں کی سنجیدگی پر ہنسی آرہی ہے۔“

”اور مجھے آپ کی عقل پر رونا آ رہا ہے۔“ حمید بولا۔

فریدی نے سوچا اگر بات بڑھ گئی تو وہ بہتری باتیں نہ معلوم کر سکے گا اس لئے وہ جلدی سے بول پڑا۔

”خاور نے مجھے بتایا ہے کہ آپ اسے پھنسانا چاہتے ہیں۔“

”کیا....؟“ ضیغم فریدی کی طرف پلٹ پڑا۔ ”میں اسے پھنسانا چاہتا ہوں۔ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے.... میں اسے پھنساؤں گا.... وہ کتے کا پلا ہے۔“

”نہیں وہ تو ہاتھی کا بھی ابا ہے۔“ حمید ہنس پڑا۔

”کیپٹن حمید میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ وہ پھر حمید کی طرف پلٹ پڑا۔ چند لمحوں

اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر فریدی سے بولا۔ ”اگر مجھے اُس سے پنڈنا ہی ہو گا تو کھلم

پنوں گا۔ ایک ہی گھونے میں اس کا سزا ہوا مغز ناک کے راستے بہہ جائے گا۔“

”مجھے علم ہے کہ آپ بہت طاقت ور ہیں۔“ فریدی اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”ٹھہریے۔“ ضیغم سنجیدگی سے بولا۔ ”میں بتاتا ہوں کہ اس کی چال کیا ہے۔“

وہ چند لمحوں کچھ سوچ سوچ کر سر ہلاتا رہا پھر بولا۔ ”آپ جانتے ہیں کہ اس کی بیوی اس سے

بڑی ہے۔“

”مجھے علم ہے۔“

”سنجیدگی کی وجہ بھی جانتے ہیں۔“ ضیغم نے پوچھا۔

”نہیں اس کا مجھے علم نہیں۔“

”خاور کا فی دولت مند آدمی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔“

”یہ بھی جانتا ہوں۔“

”پھر اس کی بیوی اس کے ساتھ کیوں نہیں رہتی۔“

”ممکن ہے مزاجوں میں ہم آہنگی نہ ہو۔“

”مزاجوں میں تو بڑی ہم آہنگی ہے جناب۔“ ضیغم مسکرا کر بولا۔ ”اتنی ہم آہنگی کہ آپ

خاور کو اور بھی عورت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر عورت.... بیوی نہیں بلکہ شوہر چاہتی ہے۔“

”اوہ.... اچھا.... اچھا۔“ فریدی اس طرح آنکھیں پھاڑ کر سر ہلانے لگا جیسے اصل بات اس

کی سمجھ میں اب آئی ہو۔

ضیغم نے پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا لیکن اس بار وہ جلد ہی سنجیدہ ہو کر بولا۔ ”کچھ بھی ہو

خاور کو ایک ایسی ہستی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی ہوگی جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ وہ چاہتا ہے

کہ اس کی بیوی پھر واپس آجائے۔“

ضیغم خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”اسے واپس لانے کیلئے خاور کے پاس آخری حربہ یہی رہ گیا تھا۔ یہ

بدنامی بھی اس کیلئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔ میرا خیال ہے کل کے اخبارات میں یہ خبر آجائے گی۔“

”ضروری نہیں ہے۔“

”اوہ.... تب تو اس کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ نہیں فریدی صاحب اس کی

پلٹی ضرور ہونی چاہئے۔“

”کیوں.....؟“

”تاکہ اس کی بیوی واپس آجائے۔“ ضیغم نے اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگایا۔

”اوہ..... تو آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ واپس آجائے۔“

”نہیں.....!“ ضیغم سنبھل کر بولا۔ ”بھلا مجھ سے کیا غرض۔ لیکن میں بعد کے مسئلہ کے

حالات سے ضرور لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔“

”بعد کے حالات سے کیا مراد ہے۔“

”ممکن ہے کہ وہ اس خبر پر چلی ہی آئے..... لیکن پھر..... آپ بچے تو نہیں ہیں کرئل۔“

”نہیں انہیں ان معاملات میں بچہ ہی سمجھے۔“ حمید بول پڑا۔ ”میں بھی ان کی شادی نہیں ہوئی۔“

”خوب خوب.....!“ ضیغم سر ہلا کر مسکراتے لگا۔

”مگر مسٹر ضیغم! اس نے بچہ کہاں سے مہیا کیا ہوگا۔“ فریدی نے پوچھا۔ اس نے حمید کے

ریمارک کو اس طرح نظر انداز کر دیا تھا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

”دولت سب کچھ مہیا کر سکتی ہے کرئل۔ اور پھر اس طرح بچے کے ضائع ہو جانے کا بھی

کوئی امکان نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نے اسے کسی ایسی ہی جگہ پھینک دیا ہوگا جہاں سے وہ جلد ہی اٹھ

لیا جاسکے۔ بچے کے والدین کو بھی اطمینان ہی ہوگا۔ انہیں دو چار ہزار روپے بھی مل گئے ہوں

گے اور ان کا بچہ اس وقت کسی سرکاری پرورش گاہ میں محفوظ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ خاور نے اس

کے لئے اپنے کسی ملازم ہی کو منتخب کیا ہو۔ نہیں کرئل یہ سارا معاملہ بالکل آسان ہے مگر خاور کی

ذہانت کی بھی دلدل دینی ہی پڑے گی۔ میں اب تک اسے صرف ایک فرسٹ کلاس گاؤڈی تصور کرتا

تھا۔ مگر اب مجھے اپنی رائے بدلتی پڑے گی۔“

فریدی بڑی سنجیدگی سے اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”مسٹر ضیغم! اگر میں آپ سے نہ ملتا تو مجھے بڑا افسوس ہوتا۔ آپ نے معاملے کو بالکل ہی صاف

کر دیا۔ مجھے تو آپ کی ذہانت پر حیرت ہے۔“

”کیوں؟ ہا.....!“ ضیغم نے قہقہہ لگایا۔ ”مگر یہ بیچارے کی بد نصیبی ہے کہ کیس آپ

جیسے ذہین آدمی کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ بھی میری رائے تو یہ ہے کہ اس معاملے کو ابھار کر

بلا سچے گا۔ ورنہ ابھرے بغیر اس بیچارے کا مقصد حل نہیں ہوگا..... واہ بھی خوب رہی۔“

ضیغم پھر ہنسنے لگا۔

کیکوا کندا

فریدی چند لمحے غور سے ضیغم کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”مگر مسٹر ضیغم جب آپ یہ سوچ سکتے ہیں

تو اس کی بیوی بھی کیوں نہ یہی نتیجہ اخذ کر سکے گی۔“

اس سوال پر ضیغم شٹا گیا۔ لیکن اس نے اس تغیر کو پھر ایک بناوٹی قہقہے میں چھپانے کی

کوشش کی۔

”اوہ.....! اگر اس نے بھی یہی سوچا تب تو پھر میں اس پوچش سے محفوظ نہ ہو سکوں گا۔

کاش کوئی اسے یقین دلا دیتا۔“

”خاور سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔“

اس سوال پر ضیغم اسے گھورنے لگا۔

”کیوں کرئل! کیا اب میرا مسئلہ اڑانے کا اردہ ہے۔“ اس نے تلخ لہجے میں فریدی سے پوچھا۔

”قطعی نہیں! میں نے تو صرف رشتہ پوچھا تھا۔“

”اچھا تو سنئے!“ ضیغم نے گرج کر کہا۔ ”ہم میں یہی رشتہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے

دشمن ہیں۔“

”اوہ..... آپ نے تو عربی طرز کی رجزیہ شاعری شروع کر دی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”آج شاعری کر رہا ہوں اور کسی دن ایک خونی ڈرامہ اسٹیج کروں گا۔“ ضیغم میز پر گھونسا مار

کر بولا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”تو سمجھ لیجئے! خاور میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔“

”آپ ایک ذمہ دار آفیسر کے سامنے گفتگو کر رہے ہیں۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

”مجھے اس کی پرواہ نہیں۔“

تو پھر اسے یاد رکھئے کہ اگر خاور قدرتی موت بھی مرا تو میرا مسئلہ اس میں دلچسپی لئے بغیر نہ

”آپ کا حکم۔“ ضیغم حضرات آمیز قہقہے کے ساتھ بولا۔ ”میں نے اب تک دس خون کے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس وقت ایک آزاد شہری کی حیثیت سے آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔“

”واقعی کمال ہے۔“ حمید ہنس پڑا اور ضیغم جھلا کر بولا۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ ثبوت مہیا کیجئے اور میرے ہتھکڑیاں لگا دیجئے۔“

”اچھا میں خیال رکھوں گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ذرا اس کیس سے فرصت مل جائے تو ضرور کوشش کیجئے گا۔“ ضیغم تلخ لہجے میں بولا۔

فریدی اور حمید اٹھ گئے۔

واپسی پر حمید نے راستے میں کہا۔ ”کہئے اب کیا خیال ہے اس جانور کے متعلق۔“

”اگر میں نے اسے سبق نہ دیا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔“ فریدی بولا۔

”اچھا اس نے جو کچھ خاد کے متعلق کہا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔“

”فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”اچھا اب مجھے کہئے دیجئے۔“

”بکو۔۔۔!“

”آپ نے کل رات والی لڑکی کو اصل واقعے سے کیوں آگاہ نہیں کیا۔“

”بکو اس مت کرو۔“

”کم از کم اس کا پتہ ہی پوچھ لیا ہوتا۔۔۔۔“ حمید نے کہا۔

”پتہ۔۔۔۔ پتہ تو مجھے معلوم ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ نہ جانے کیوں یک ایک اس کا موزہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

”تو پھر بتا دیجئے نا۔“ حمید بچوں کی طرح ٹھک کر بولا۔

”اٹھارہ کنکس لین۔۔۔۔ نام بھی بتا دوں۔“

”کاش آپ سچ بچ بتا دیں۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”زرینہ پرویز۔“

”ہائیں تو کیا شادی شدہ ہے۔“

”نہیں پرویز اس کے باپ کا نام ہے۔“

”شکر ہے پروردگار۔۔۔۔ اور اس کے باپ کا بھی بہت بہت شکریہ وغیرہ۔“

”تو پھر تمہیں کنکس لین کے پاس اتار دیا جائے۔“

”ارے آج آپ اتنے مہربان کیوں ہیں۔“

”کبھی کبھی تم پر ترس بھی آتا ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں نہیں مان سکتا۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”کوئی بات ضرور ہے۔“

”کیا بات ہو سکتی ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”اس طرح آپ کا کوئی کام بننا ہو گا۔“

”میرے تو سارے کے سارے کام کسی نہ کسی طرح بن ہی جاتے ہیں حمید صاحب۔“

”کیا آپ اس لڑکی پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہیں۔“

”شبہ نہیں۔۔۔۔ بھی میں تو فی الحال تم سے پیچھا پھڑا کر کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔“

”شکریہ شکریہ۔“ حمید نے خوشی کا اظہار کیا۔

”اچھا اب اتر جاؤ۔“ فریدی نے ایک جگہ کیڈی روک دی۔ ”اگر ممکن ہو تو آج ضیغم کے

سرکس میں ضرور جانا۔“

”یہ بات کہی ہے آپ نے۔ اب میں اس کیس میں دل و جان سے دلچسپی لوں گا۔۔۔۔ ہاں ضیغم

سے ٹکراؤ۔ مزہ آجائے گا۔ میں بہت عرصہ سے اس کی گردن توڑنے کی فکر میں ہوں۔“

”حمید! سنجیدگی سے میرا ایک مشورہ سنو۔ ضیغم سے بھڑنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری

گردن کی ہڈیاں بھی بہت عزیز ہیں۔“

”آپ اس سے مرعوب ہو گئے ہیں۔“

”چلو یہی سمجھ لو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نارزن یا زمو کا بیٹا نہیں ہوں کہ ہر ایک پر

غالب ہی آتا رہوں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ سنگ ہی جیسے کیڑے نے مجھے عاجز کر دیا تھا۔“

”خیر میں آپ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کروں گا۔“ حمید نے کہا اور کیڈی سے اتر گیا۔

کیڈی فرائے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

حمید چند لمحے سڑک کے کنارے ہی کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر کنکس لین کی طرف مڑنے کی

سنگ ہی کی داستان کے لئے جاسوسی دنیا کے ناول ”نیلی لکیر“ اور ”خونی گولے“ ملاحظہ فرمائیے۔

بجائے ایک قریبی ریسٹوران میں گھس گیا۔

اتوار ہونے کی وجہ سے ریسٹوران میں کافی بھیڑ تھی۔ حمید کو ایک بھی میز خالی نہ مل سکی۔ ویسے وہ یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ زرینہ پرویز سے ملنے سے قبل ریسٹوران کے غسل خانے کے آئینے میں اپنے جلے کایک بار جائزہ لے سکے۔ اس نے کاؤنٹر پر کھڑے ہی کھڑے ایک کپ چائے پی اور پیسے ادا کر کے سیدھا غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

پھر شائد نہیں منٹ بعد وہ باہر آیا۔ اس دوران میں اس نے اپنے چہرے اور بالوں کی خاصی مرمت کر لی تھی۔

یہاں سے کنکس لین کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ بیدل ہی چل پڑا۔ ایک بچہ چکا تھا اور دھوپ کافی تیز تھی۔ لیکن اسکے باوجود بھی اس کی طبیعت جولانی پر تھی۔ کنکس لین کی انٹرویو کوٹھی کے سامنے وہ رگ گیا۔ وہ یہاں تک تو چلا آیا تھا لیکن اب سوچ رہا تھا کہ اس سے ملے کس بہانے سے۔ اگر وہ گھر پر موجود نہ ہوئی تو پھر اسے کیا کرنا پڑے گا۔ اگر اس کا باپ کوئی دنیائی قسم کا آدمی ثابت ہو تو صورت حال کیا ہوگی۔ اسے اس سے قبل بھی کئی انٹرویوز کی لڑکیوں کے قدامت پسند والدین سے ملنے کا اتفاق ہو چکا تھا اور وہ اس سے اچھی طرح پیش نہیں آئے تھے۔

اور پھر وہ سوچ رہا تھا کہ ”تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔“

اچانک اس کی نظریا میں باغ کے ایک گوشے کی طرف اٹھ گئی۔ جہاں ایک بڑا سا سائیں بورڈ ایک درخت کے تنے سے لٹک رہا تھا۔ اور اس پر ”برائے فروخت“ تحریر تھا۔ درخت کے نیچے جبے شمار گلوں میں صد ہا قسم کے پودے نظر آ رہے تھے۔ ”اب“ ”برائے فروخت“ کا مفہوم اس پر واضح ہو گیا۔ اور ساتھ ”تقریب بہر ملاقات“ بھی سوچ گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ بے کھلے پائیں باغ میں داخل ہو رہا تھا۔ پھر وہ سیدھا وہیں جا کر رکا جہاں ”برائے فروخت“ کا بورڈ لٹک رہا تھا۔

”فرمائیے۔“ اسے پشت سے کسی کی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر مڑا۔ اس کے سامنے ایک

بلا پتلا اور پست قد بوڑھا پلکیں چھپکا رہا تھا۔

حمید نے اس کے رکھ رکھاؤ سے انداز لگایا کہ وہ کوٹھی کا مالک ہی ہو سکتا ہے۔

”مجھے یہ بوڑھا یہاں لایا ہے۔ ویسے میں مس زرینہ سے واقف ہوں۔“

”تو فرمائیے تا آپ کیا چاہتے ہیں۔“ بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔

”کیکوا کنڈا۔۔۔۔!“ حمید سنجیدگی سے بولا۔

”کیا۔۔۔۔؟“ بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

”کیکوا کنڈا۔۔۔۔!“ حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

”یہ کیا بلا ہے؟“

”ارے آپ کیکوا کنڈا نہیں جانتے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”اوہ۔۔۔۔ شائد آپ پودوں

کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“

”جی! کیا فرمایا۔“ بوڑھا ننھے پھلا کر بولا۔ ”جناب میں پودوں پر اتھارٹی ہوں۔ مجھے ڈاکٹر پرویز کہتے ہیں۔“

”اوہ۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب۔“ حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“

”مجھے بھی ہوئی۔“ بوڑھا اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ”مگر کیچو کنڈا۔۔۔۔!“

”کیکوا کنڈا۔۔۔۔!“ حمید نے تصحیح کی۔ ”مجھے حیرت ہے کہ کیکوا کنڈا سے متعلق لٹریچر آپ کی نظر سے نہیں گذرا۔ یہ آرچر کی ایک نسل سے تعلق رکھتا ہے اور گانگو کے خطے میں پایا جاتا ہے۔ ابھی حال ہی کی دریافت ہے۔“

”اوہ! تب بھی اُسے اس سال کی نباتات کی انسائیکلو پیڈیا میں ہونا چاہئے۔“

”ضرور ہوگا۔“ حمید نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ نہیں ہے۔“ بوڑھے نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

”تو بہر حال کیکوا کنڈا آپ کی نرسری میں نہیں ہے۔“

بوڑھے نے اس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

”اچھا زیور اس کا ہوگا۔“

”زیوراس کا....!“ بوڑھا حیرت سے بڑبڑایا۔
”اوہ تو آپ زیوراس کا بھی علم نہیں رکھتے۔“

”ذرا ایک منٹ ٹھہریے....!“ بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ بھی کوئی غیر معروف قسم ہو۔“

”غیر معروف نہیں جناب! بہت ہی قیمتی ہے۔“

”اچھا تو میرے ساتھ آئیے۔ میں انسائیکلو پیڈیا میں دیکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں پودوں کے کوئی اور بھی نام ہوں۔“

”ضرور دیکھئے.... لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان ناموں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔“ وہ دونوں پورچ سے گذر کر برآمدے میں آئے۔

اس نے ایک نوکر سے کہا۔ ”زرینہ سے کہو کہ انسائیکلو پیڈیا لے کر آئے۔“ نوکر جانے لگا۔
”ٹھہرو۔“ بوڑھے نے کہا۔

نوکر رک گیا۔

”کیا کہو گے؟“ اس نے اس سے پوچھا۔

”سائیکل کا پیڈل لے کر چلے۔“ نوکر نے نہایت سنجیدگی سے دست بستہ کہا۔

”دیکھا.... آپ نے۔“ بوڑھا حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

”انسائیکلو پیڈیا.... مائی ڈیر۔“ حمید نے نوکر سے کہا۔

”تمہیں بنے گا سرکار مجھ سے۔“ نوکر بیزار سی سے بولا۔

”گنوار ہو تم....!“ بوڑھا جھلا گیا۔ ”میں خود ہی لاتا ہوں۔“

بوڑھا اٹھ کر چلا گیا۔

ادھر حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ بوڑھا نباتات کی انسائیکلو پیڈیا پر اتر آئے گا ورنہ وہ کبھی بے تکی نہ ہاںکتا.... کیلکوا کنڈا اور زیوراس کا خود اسی کی تخلیق تھے۔ حمید گلو خلاصی کی تدبیر سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک دروازے سے زرینہ برآمد ہوئی۔ حمید کو دیکھ کر ٹھٹکی پھر بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

”فرمائیے حمید صاحب۔“ وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ ”اب کون سی مصیبت نازل ہوئی آپ پر۔“

”مصیبت۔“ حمید بوکھلا کر بولا۔ ”فی الحال مجھے اپنے ڈیڈی سے بچائیے۔“
”کیوں.... کیا ہوا۔“

”اوہ.... میں دراصل رات والے معاملے کے متعلق معذرت کرنے کے لئے آیا تھا کہ آپ کے ڈیڈی سے مڈ بھیڑ ہو گئی اور اب وہ نباتات کی انسائیکلو پیڈیا لینے گئے ہیں۔“
”جناب! رات میں آپ کو نہیں جانتی تھی ورنہ اس طرح اگوبہ بنتی۔ میں نے آپ کے فنانے بہت سنے ہیں۔“

”اوہ.... وہ تو سب ٹھیک ہے مگر.... انسائیکلو پیڈیا۔“

”ارے تو آخر گھبراہٹ کی کیا بات ہے۔ تھوڑی دیر تک اُن سے نباتات پر گفتگو کیجئے تب تک میں باہر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤں گی۔ میں خود آپ سے ملتی۔ نہ جانے کیوں میں ایک بار پھر اُس بچے کو دیکھنا چاہتی ہوں.... بیچارہ.... نہ جانے کس بد نصیب نے ایسی حرکت کی ہے۔“
اتنے میں بوڑھا ایک موٹی سی کتاب بغل میں دبائے ہوئے واپس آ گیا۔

”کیلکوا کنڈا تو نہیں ملا جناب.... دوسرے کا کیا نام بتایا تھا۔“ بوڑھے نے حمید سے کہا پھر زرینہ سے بولا۔ ”اوہ.... کیا تم انہیں جانتی ہو۔“

”جی ہاں.... یہ نکلہ سرانِ رسانی کے آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔“ زرینہ مسکرا کر بولی۔

”نکلہ سرانِ رسانی کے آفیسر۔“ بوڑھا پلکیں جھپکانے لگا۔

”جی ہاں.... آپ نے کرئل فریدی کا نام سنا ہوگا۔ یہ اُن کے اسٹنٹ ہیں۔“

”کرئل فریدی۔“ بوڑھا جلدی سے بولا۔ ”اوہ ہاں ہاں۔ میں اُسے جانتا ہوں۔ وہ میرے مرحوم دوست.... کا لڑکا ہے۔ وہی فریدی نا۔“

”جی ہاں.... وہی۔“ حمید بولا۔

”کیا آپ نے اسی کی زبان سے ان پودوں کے نام سنے ہیں۔“

”جی ہاں.... جی ہاں۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”تب تو یہ پھر ضرور ہوں گے۔ اس کا باپ افریقہ اور جنوبی امریکہ پر اتھارٹی تھا۔ کیا نام بتایا تھا دوسرے کا۔“

”زیوراس....“ حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

زرینہ مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی اور حمید پودوں کے متعلق کوا س سن سن کر بور ہوتا رہا۔
لیکن کرتا بھی کیا۔ جب اس کی شامت آتی تھی تو وہ اسی قسم کی حماقتیں کر بیٹھتا تھا۔

پھر شائد آدھے گھنٹے کے بعد وہ زرینہ کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا اپنی گلو خلاصی پر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔۔۔۔۔ بوڑھے نے اس کے دماغ کی چولیس ہلا دیں تھیں۔

”آپ نے پچھلی رات جھوٹ کیوں بولا تھا۔“ زرینہ نے حمید سے کہا۔ وہ خود کار ڈرائیو کر رہی تھی۔

”مصلحتاً۔۔۔!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”اگر میں نہ کرتا تو لوگ میرا بھیجا چاٹ کر رکھ دیتے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی طرح جلد سے جلد وہاں سے چل دوں گا مگر آپ درمیان میں آکودیں۔“

”میں پچھلی رات ٹھیک سے سو نہیں سکی۔“ زرینہ نے کہا۔ ”مجھے بار بار بچے کا خیال آتا تھا اور ساتھ ہی آپ کی دشواریاں بھی سامنے آ جاتی تھیں۔ مگر آپ حمید صاحب۔“ وہ ہنسنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”مگر آپ کی ایکٹنگ کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ سچ سچ ایک بے ماں کے بچے کے باپ معلوم ہو رہے تھے۔“

”اور اب میں اس وقت خود کو ایک لاوارث بچہ محسوس کر رہا ہوں۔“

”کیوں؟“

”پتہ نہیں۔۔۔۔!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

”تو اب آپ لوگ بچے کے والدین کی تلاش میں ہوں گے۔“ زرینہ نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔ صاحب خواہ مخواہ ایک بلاسر پر پڑی ہے۔ اب اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔“

”مجھے سراغ رسانی کا بہت شوق ہے اور میں اس کیس میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتی ہوں۔“

”آپ کس طرح ہاتھ بٹائیں گی۔“

”آپ لوگوں کے گھروں کے اندر تو گھس نہیں سکیں گے۔ میں یہ کام نہایت آسانی سے انجام دے سکوں گی۔ ہمیں دراصل ایک ایسی عورت تلاش کرنی ہوگی جو آج ہی کل میں زچگی سے فارغ ہونے کے باوجود بھی گود خالی رکھتی ہو۔“

”ایسی سینکڑوں مل جائیں گی۔“ حمید نے کہا۔ ”جو کل فارغ ہوئی ہوں گی اور آج ان کی

دوبیں بھی خالی ہو گئی ہوں گی۔“

”اوہ۔۔۔۔ تو اس کا پتہ لگانا بھی مشکل نہ ہوگا۔ پڑوسی کم از کم یہ تو بتا ہی دیں گے کہ اس کے بچے کا انتقال ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ مگر اصل مجرمہ کسی حال میں بھی نہ چھپ سکے گی۔“

”لیکن اس مہم کا اختتام شائد چھ ماہ بعد ہوگا۔“ حمید بولا۔ ”شہر میں لاکھوں مکان ہیں۔“

”بہر حال میں مجرموں کا پتہ لگا کر انہیں معقول سزا دلوانا چاہتی ہوں۔“

حمید آستین سر کا کر گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ ”تین بجنے والے ہیں۔ کیوں نہ ہم اسٹار سرکس کے پروگرام دیکھیں۔ آج اتوار ہے ایک شو ساڑھے تین بجے بھی ہوگا۔“

”یک بیک سرکس کی کیسے سوچ گئی۔“

”سرکس میں کئی لڑکیاں ہیں۔ اگر آپ کو سراغ رسانی کا شوق ہے تو وہاں پتہ لگانے کی کوشش کیجئے گا کہ اصل مجرمہ کون ہے؟“

”کیا اوٹ پانگ ہانگ رہے ہیں۔۔۔۔۔ حمید صاحب۔“

”نہیں میں قطعی سنجیدہ ہوں۔“ حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

کوٹ لے گیا

سرکس سے واپسی پر حمید زرینہ کو ہائی سرکل ٹائٹ کلب لے گیا۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آ سکی کہ فریدی نے اسے اسٹار سرکس جانے کے لئے کیوں کہا تھا۔ وہاں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ ضیفم بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

ٹائٹ کلب کی دلچسپیاں شباب پر تھیں۔ اس لئے حمید نے یہ سوچنا ہی ترک کر دیا کہ فریدی نے اسے سرکس کے لئے کیوں تاکید کی تھی۔

ٹائٹ کلب کے فیجر نے حمید کی شکل دیکھتے ہی جھر جھری سی لی لیکن پھر اس کے ساتھ بکسے کی بجائے ایک لڑکی دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ وہ حمید سے بہت زیادہ خائف رہتا تھا۔ اور وہ تھا بھی کچھ اسی قسم کا آدمی کہ بچے اس کے پیچھے تالیاں بجا سکتے تھے۔ یعنی اس کی شخصیت میں بھاری پن بالکل نہیں تھا۔

حمید اور زرینہ ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔

میں ایک درجن بھوتوں نے اس کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے۔ وہ پاگل ہو کر سڑکوں پر بھونکتا رہا۔

زرینہ ہنسنے لگی اور حمید بکتا رہا۔ ”بنجر آباد ایک آزاد علاقہ ہے۔ وہاں عورتوں کے لئے کوئی نہیں۔ صرف مرد بستے ہیں۔“

”اور ان کے مرتے ہی بستی دیران ہو جائے گی۔“ زرینہ نے کہا۔

”اب جو کچھ بھی ہو۔“

”نہیں سنجیدگی سے بتائیے کہ آخر آپ لوگ شادی کیوں نہیں کرتے۔ خصوصاً فریدی صاحب۔“

”کوئی پوچھتا بھی ہے ہم لوگوں کو۔“ حمید نے دردناک لہجے میں کہا اور ایک دیٹر کو اشارے سے بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔

”اوہ.... کھانا نہیں.... کھانا گھر ہی پر کھاؤں گی۔“ زرینہ نے کہا۔

”آج باہر ہی سہی.... نہیں تکلف کی ضرورت نہیں۔“ حمید نے کہا۔ پھر بڑبڑانے لگا۔

”اے یہ بور تو ادھر ہی آ رہا ہے۔“

”کون....!“ زرینہ چونک کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”بنجر! اب اس سور کی غزل سننی ہی پڑے گی۔“

”آنے دیجئے.... تفریح رہے گی۔“ زرینہ ہنس کر بولی۔

”آداب بجالا تاہوں کپتان صاحب۔“ بنجر میز کے قریب پہنچ کر بولا۔

”آخا! مزاج تو اچھے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے۔“ حمید نے سر کی جنبش سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”بہت دنوں بعد نیاز حاصل ہوئے۔“

”کون؟ نیاز....!“ حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”نہیں وہ تو پرسوں بھی ملا تھا۔“

بنجر احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”آپ تو بقول شاعر....!“

”ظہریئے ظہریئے۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”ایک ضروری بات یاد آگئی۔ کل میرے لئے

ایک میز مخصوص رکھے گا۔ کل میرے ساتھ بر خوردار بغرا خاں بھی آئے گا۔“

”میں دست بستہ معافی چاہتا ہوں جناب عالی.... اب یہاں کتے بھی نہیں آتے کیا آپ کی

نظر نوٹس بورڈ پر نہیں پڑی۔“

”آپ تھک گئی ہیں شاید۔“ حمید بولا۔

”تہا ہوتی تو ضرور تھک جاتی۔ لیکن آپ کی گفتگو تھکن محسوس کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔“

”پتہ نہیں کیوں آپ کے ڈیڈی مجھے بہت اچھے لگے ہیں۔“

”ڈیڈی کی پسندیدگی کا شکریہ۔“ زرینہ ہنس پڑی۔ پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔ ”وہ آدمی

آپ کو بہت بُری طرح گھور رہا ہے۔“

”کون....!“ حمید چونک کر دیکھنے لگا پھر مسکرا کر بولا۔ ”کیا آپ اسے نہیں جانتیں۔“

”نہیں.... میں یہاں پہلی بار آئی ہوں۔“

”یہ یہاں کا فیئر ہے.... اور میں اسے مہا بور کہتا ہوں۔ اسے شعر سنانے کا خبط ہے اور میں

اس کے ساتھ عموماً بہت ہی غیر شاعرانہ قسم کی حرکتیں کیا کرتا ہوں۔“

”مثلاً....!“

”کبھی کبھی میں اپنا بکرا یہاں لے آتا ہوں۔“

”بکرا....!“ زرینہ نے حیرت سے کہا۔

”ہاں.... میں نے کتے کے بجائے بکرا پال رکھا ہے۔ نجس بھی نہیں ہوتا اور وقت ضرورت

ذبح کر کے کھایا بھی جاسکتا ہے۔“

”اور آپ کو شرم نہیں آتی.... کیا ساتھ لئے پھرتے ہیں۔“

”کیا بکروں مجبوری ہے۔ تنہائی گراں گذرتی ہے اس لئے بکرا ہی سہی۔ ان عورتوں کو شرم

کیوں نہیں آتی جو کتے ساتھ لئے پھرتی ہیں۔“

”تنہائی گراں گذرتی ہے تو شادی کیوں نہیں کر لیتے۔“

”اپنی طرف شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر کرسی کی پشت سے

ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

”کس سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں آپ۔“ زرینہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بنجر آباد.... نام ہے اس سرزمین کا۔ وہاں دور دور تک عورتوں کا پتہ نہیں۔ عقیدہ لوگوں

کا یہ ہے کہ جس گھر میں عورت ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ ایک بار ایک آدمی

نے غلطی سے شادی کر لی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال ایک نیا بھوت اس کے پیچھے لگ جاتا تھا۔ بارہ

”کل بھی میری نظر نوٹس بورڈ پر نہیں پڑے گی.... آپ بے فکر رہئے۔“
 ”آپ نے وعدہ کیا تھا۔“ فیجر بے بسی سے بولا۔

”یہ ۱۴۴۰ء کی بات ہے۔“

”دیکھئے پریشان نہ کیجئے۔ میرا بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔“
 ”ایک شرط پر میں آپ کی بات مان سکتا ہوں۔“
 ”کس شرط پر۔“

”کوئی ایسا واقعہ سنائیے جس پر یقین نہ آئے۔“

”جی....!“ فیجر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

زیرینہ کا بُرا حال تھا۔ وہ دانتوں میں رومال دبائے ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔
 ”ہاں جلدی سے سنائیے۔“ حمید بولا۔

”مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں آرہا ہے۔“ فیجر مردہ سی آواز میں بولا۔

”یاد نہیں آرہا ہے.... تو آپ کوئی سچا واقعہ یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سچی بات کے یقین نہ آئے گا۔ میں تو ایسی بات سننا چاہتا ہوں جس پر یقین نہ آئے۔“

فیجر چند لمحوں میں حمید کو گھور تارہا پھر جھلا کر بولا۔ ”میں گدھی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔“

”مجھے یقین ہے۔“ حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور زیرینہ بے ساختہ پھوٹ پڑی۔

فیجر پر بیک وقت شرمندگی اور جھنجھلاہٹ کا حملہ ہوا اور اس کی شکل حد درجہ مضحکہ خیز نظر

آنے لگی۔ وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے اٹھا اور سیدھا اپنے آفس کی طرف چلا گیا۔

زیرینہ اب تک ہنسے جا رہی تھی۔

”واقعی حمید صاحب.... کمال کے آدمی ہیں آپ۔“ اس نے کہا۔

”کیا کروں.... یہ نہ کرنا تو اس کمبخت کی کئی غزلیں زہر مار کرنی پڑتیں۔“

”کہیں وہ بیاض لینے کے لئے نہ گیا ہو۔“ زیرینہ بولی۔

”فکر نہیں.... بیاض سمیت اسے کسی اندھے کوئیں میں چھلانگ لگانی پڑے گی۔“

استے میں دیٹر نے میز پر کھانا چن دیا.... کھانے کے دوران میں زیادہ تر خاموشی ہی رہی۔

اب حمید کا ذہن پھر موجودہ کیس کے سلسلے میں بھٹکنے لگا تھا۔ سب سے زیادہ الجھن اسے اس بات

تھی کہ آخر فریدی نے اسے سرکس دیکھنے کے لئے کیوں بھیجا تھا اور غالباً وہ بھی چاہتا تھا کہ
 زیرینہ بھی وہاں لے جانی جائے۔ اسی لئے اس وقت اس نے سرکس کے لئے کہا تھا۔ جب وہ کنکس
 تین جانے کے لئے کیڑی سے اتر رہا تھا۔

کھانے کے بعد زیرینہ نے کہا کہ اب وہ گھر واپس جائے گی۔ نو بجنے کے بعد وہ گھر سے باہر رہنے
 کی عادی نہیں۔ حمید نے بھی یہی سمجھا کہ اب اسے جانے ہی دے۔ وہ کلب کے فیجر سے دوبارہ
 فیجر چھانڈ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

زیرینہ چلی گئی اور حمید وہیں بیٹھا پاپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ اچانک اس نے اپنے قریب
 کی کئی زوردار قہقہے سنے۔ وہ چونک کر مڑا۔ قریب ہی کی ایک میز پر تین آدمی بُری طرح ہنس
 رہے تھے اور ایک نوجوان ان کے قریب کھڑا ہوا جھینپے ہوئے انداز میں اپنے چمکدار دانتوں کی
 نمائش کر رہا تھا۔

”تمہاری مونچھیں کہاں گئیں۔“ ایک نے پوچھا۔

”اے یار خارش ہو گئی تھی۔“ نوجوان بیٹھتا ہوا بولا۔

”کہاں....!“ وہ آگے جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا ہو کر بولا۔

”کیوں اڑاتے ہو.... ساری جلد ساٹ اور بے داغ پڑی ہے۔“ بھی اتنی شاندار مونچھوں کی

صفائی مجھے تو بہت گراں گذری ہے۔“

”کسی عورت کی عنایت معلوم ہوتی ہے۔ آج کل کی عورتیں بڑی مونچھیں قطعی نہیں پسند

کرتیں۔“ دوسرے نے کہا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

”یارو یقین کرو۔“ نوجوان بے بسی سے بولا۔

”کر لیا یقین.... اچھا یہ بتاؤ وہ عورت کون ہے۔“

”کوئی نہیں یار.... خارش ہو گئی تھی۔“

”جھوٹ کی حد ہوتی ہے۔ اچھا ختم کرو! ہمیں کیا۔“ ایک نے کہا۔

”کیا پر سوں تک خارش نہیں تھی۔“ دوسرا بول پڑا۔

”نہیں تھی! کبھی نہیں تھی۔“ نوجوان جھنجھلا گیا۔ ”مونچھیں میری تھیں یا تمہاری تھیں۔“

”اماں تو خفا کیوں ہوتے ہو۔ بولو کیا پیو گے۔ پتہ نہیں وہ عورت ہے یا جنت کی حور جس کا

تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔“

”خود ہی سمجھ لو۔“ نوجوان لاپرواہی سے بولا۔

”ملاؤ گے نہیں؟“

”کوئی گرنی پڑی عورت نہیں ہے۔ بس اب اس سے آگے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ کہو تو بیٹھوں تمہارے ساتھ ورنہ اٹھ کر چلا جاؤں۔“

”آج کیا ہو گیا ہے میرے شیر کو۔“ ایک نے دوسرے کو مخاطب کر کے کہا۔

”چھوڑو بھی یار کیوں بور کر رہے ہو بیچارے کو۔“

”بھئی اب نہ بولیں گے۔“ ان میں سے ایک نے ویٹر کو بلا کر شراب کا آرڈر دیا۔

حمید کا ذہن فلابازی کھانے لگا۔۔۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ وہی آدمی نہ ہو جس کی انہیں تلاش تھی۔ اس کا حلیہ بھی قریب قریب یہی بتایا گیا تھا۔ بڑی اور گھنی مونچھیں بیضوی چہرہ گھونگھریالے بھورے بال۔ اور ٹھوڑی میں خفیف سا گڑھا۔ لیکن اب اس کے چہرے پر مونچھیں نہیں تھیں۔ ممکن ہے پہچان لئے جانے کے خوف سے اس نے مونچھیں صاف کرا دی ہوں۔ بڑی مونچھیں رکھنے والوں کی شخصیت میں سب سے نمایاں چیز مونچھیں ہی ہوتی ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے برسوں تک اس کے چہرے پر مونچھیں دیکھی تھیں۔ پچھلی رات کو یہ واقعہ ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے آج ہی مونچھوں کی صفائی کی ہو۔

حمید سوچتا رہا لیکن پھر اسے اپنے اس خیال پر ہنسی آنے لگی۔ وہ پھر سوچنے لگا کہ اگر اسی طرح مجرم ہاتھ آنے لگیں تو پھر جاسوسی نادلوں اور حقیقی زندگی میں فرق ہی کیا رہ جائے۔۔۔ گویا وہ اس وقت یہاں اسی لئے آیا تھا کہ اصلی مجرم سے مڈ بھیڑ ہو جائے۔۔۔۔۔ حمید لا حول پڑھتا ہوا آج شام کے اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ادھر شراب آگئی تھی اور وہ چاروں پی پی کرڈ نیگیس مارنے لگے تھے۔

”تم کیا جانو۔۔۔۔۔ ایڈووچر کسے کہتے ہیں۔“ نووارد نوجوان نے کہا۔ ”میں نے ایسے ایسے

کارنامے انجام دیئے ہیں کہ سنو تو پسینہ آجائے۔“

”نہیں سنبھنا چاہتے بھائی۔“ ان میں سے ایک بے ڈھنگے پن سے ہنستا ہوا بولا۔ ”تم بتاؤ وہ بکری کون ہے جو تمہاری مونچھیں چبا گئی۔ مجھ سے نہ چھپاؤ پیارے۔ ورنہ میں تمہارے سرال والوں کو

لکھ دوں گا۔“

”ہاں بھائی۔۔۔۔۔ خدا قسم۔“ دوسرا بولا۔ ”یہ سرال کیا ہے۔ اسے سرال کیوں کہتے ہیں۔“

وہ سب گھٹیا قسم کی بے تکلی گفتگو کر رہے تھے لیکن نووارد ذہن بھی معلوم ہوتا تھا اور تعلیم یافتہ بھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس کا تعاقب کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جس کی انہیں تلاش تھی۔ فی الحال دو باتیں تو اس میں پائی جاتی تھیں۔ اس کے بال بھی گھونگھریالے تھے۔ ن کی رنگت بھوری تھی اور ٹھوڑی میں خفیف سا گڑھا۔ مونچھوں کے متعلق تو وہ سن ہی چکا تھا۔ بیٹیا مونچھیں بڑی شاندار رہی ہوں گی ورنہ اتنی کڑی تنقید نہ کی جاتی۔

حمید نے تہہ کر لیا کہ اس کا تعاقب ضرور کرے گا۔ اس نے ویٹر کو بلا کر کھانے کا بل ادا کیا اور دوبارہ پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ٹھوڑی دیر بعد نووارد اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اٹھ گیا۔ انہوں نے اس کو روکنا چاہا مگر اس نے شائد کسی ضروری کام کا بہانہ کیا۔ حمید نے اس کا جملہ نہیں سنا لیکن وہ ریمارک ضرور سنے جو اس جملے پر دیئے گئے تھے جن کا مقصد وہی ”مرنے کی ایک ٹانگ“ تھا۔ یعنی ضرور کوئی نئی عورت ہے جس کے چکر میں مونچھیں بھی گنوائیں اور اب دوستوں کی دل شکنی بھی کی جا رہی ہے۔

اس کے ساتھی کافی پی گئے تھے لیکن وہ خود زیادہ نشے میں نہیں تھا۔ نہ تو اس کے قدموں ہی میں لغزش تھی اور نہ آنکھوں ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے شراب پی رکھی ہے۔ حالانکہ اس نے بھی کئی پگ لئے تھے۔

وہ باہر نکل ہی رہا تھا کہ حمید بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ نووارد باہر کھڑی ہوئی ایک کار میں بیٹھ گیا اور حمید سوچنے لگا کہ یہ بہت بُرا ہوا۔ لیکن اُسے فوراً یاد آگیا کہ ٹیکسیوں کا ڈھکب کی کمپاؤنڈ کے چھانک کے سامنے ہی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ اپنی کار اشارت کرتا حمید تیزی سے چلا ہوا چھانک سے گزر گیا۔ اس کا رخ ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف تھا۔ دو تین ٹیکسیاں کھڑی دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

اور پھر جب تک وہ کار چھانک سے باہر آتی حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔ تعاقب شروع ہو گیا۔ سڑک پر ٹریفک کی زیادتی تھی لیکن ٹیکسی ڈرائیور کافی ہوشیار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنی ٹیکسی اس کار کے پیچھے لگائے ہی رکھی۔

اگلی کار والا جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فضا کی خنکی سے لظف اندوز ہونا چاہتا ہو۔ اس کی کار آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دیدہ دانستہ ایسا نہ کر رہا ہو۔ کہیں اسے اس تعاقب کا علم نہ ہو گیا ہو۔ ٹیکسی کے اندر کی روشنی اس نے پہلے ہی گل کرادی تھی۔

لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد حمید کو اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ اگر اسے تعاقب کا علم ہو تا تو وہ اسے آزمانے کی کوشش کرتا۔ اپنی کار کسی سنسان سڑک یا گلی میں موڑ دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ایسی ہی سڑکوں سے اس کی کار گزر رہی تھی جن پر بہت زیادہ ٹریفک تھا۔

حمید بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ حماقت نہ کر رہا ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد کار کا رخ موڈل ٹاؤن کی طرف ہو گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی تھی۔ یہاں چالیس یا پچاس چھوٹے چھوٹے بنگلے تھے اور ان میں زیادہ تر متمول لوگ رہتے تھے۔

ہیڈ لائٹس بجھا دو۔“ حمید نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

”چالان ہو جائے گا صاحب۔“ ڈرائیور بولا۔

”فکر نہ کرو۔۔۔۔ میں سپاہی کو کچھ دے دلا کر ٹھیک کر لوں گا۔“

اگلی کار موڈل ٹاؤن میں داخل ہو رہی تھی۔ پھر وہ ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔

حمید نے ٹیکسی ڈرائیور سے روکنے کو کہا اور اس کے ہاتھ میں دس کانٹ پکڑا کر اترتا ہوا بولا۔ ”یہیں پر میرا انتظار کرنا۔۔۔۔ جانا نہیں۔۔۔۔ سمجھے میرا تعلق پولیس سے ہے۔ چلے گئے تو زحمت میں پڑو گے۔ ٹیکسی کا نمبر مجھے زبانی یاد ہے۔“

”اچھا صاحب۔“

حمید آگے بڑھ گیا۔ سڑک پر اندھیرا تھا۔ اگلی کار سے اترتا ہوا آدمی شاید بنگلے کا پھانک کھول رہا تھا۔ پھر اس نے پھانک کو دھکیل کر اس کے پٹوں کو ادھر ادھر کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ یہیں رہتا ہے اور اب کار کو بھی اندر لے جائے گا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے محسوس کیا جیسے وہ کسی سے لڑ پڑا ہو۔ وہ اس کی آواز اچھی طرح پہچانتا تھا۔ غصیلی آواز گالیوں میں تبدیل ہو گئی۔ پھانک کے اندر دو آدمی ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پاتھا تھا کہ ایک نے دوسرے کو

میں پر گرا دیا۔

”خبردار یہ کیا ہو رہا ہے۔“ حمید چیخ کر آگے بڑھا۔ دوسرا آدمی جو اپنے شکار کو دبائے ہوئے

بچا چھل کر بھاگا۔۔۔۔ اور غالباً یہ معجزہ ہی تھا کہ حمید سے ٹکرانے کے باوجود بھی اس کی گرفت میں

آیا۔ حمید جھونچھل میں آکر گرتے گرتے بچا۔ ابھی سنچھل بھی نہیں پایا تھا کہ اس نے قریب ہی

میں موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔

دوسرا آدمی پھانک میں کھڑا پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔

”لے گیا۔۔۔۔ میرا کوٹ لے گیا۔“

حمید نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کی۔ یہ دبی آدمی تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں

نک پہنچا تھا۔

سڑک کے کنارے

”کون ہو تم۔۔۔۔!“ وہ جھلا کر حمید پر جھپٹ پڑا۔

”راگبیر ہوں بھائی۔۔۔۔ تمہیں لڑتے دیکھ کر رک گیا تھا۔“ حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

”اوہ شائد میں پاگل ہو گیا ہوں۔“ اس نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اب

وہ اپنی کار اسی طرف موڑ رہا تھا جدھر سے موٹر سائیکل کی آواز آ رہی تھی۔

حمید بھی لپک کر ٹیکسی میں جا بیٹھا۔

”ابھی ٹھہرو۔۔۔۔!“ اس نے ڈرائیور سے کہا۔ ”اس گاڑی کو کچھ دور نکل جانے دو۔“

اگلی کار بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ حمید نے بھی رفتار تیز کرادی۔ لیکن اس بار

ٹیکسی کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں خود حمید نے ڈرائیور کو خاص طور سے ہدایت دی تھی کہ اب ہیڈ

لائٹس نہ بجھائی جائیں۔

اس کی نظر اگلی کار پر تھی اور کان موٹر سائیکل کی آواز پر۔

پھر اچانک موٹر سائیکل کی آواز غائب ہو گئی اور ساتھ ہی حمید نے اپنی اسکیم بدل دی۔ اب

وہ اس کا تعاقب نہیں جاری رکھنا چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اس بنگلے کی تلاشی لی جائے

ہو سکتا ہے کہ اس آدمی کے خلاف کوئی ثبوت ہی ہاتھ آجائے۔ اس نے سوچا کہ بنگلے یقیناً خالی

ہوگا۔ شاید وہاں نوکر بھی نہ ہوں۔ اگر نوکر ہوتے تو وہ خود ہی پھانک کھولنے کی زحمت گوارا کرتا۔ بلکہ کار کا ہارن بجا کر نوکروں کو بلاتا۔

”ڈرائیور! ٹیکسی پھر اسی طرف موڑ لو۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”جی صاب۔“

”ٹیکسی گھماؤ۔ پھر واپس چلیں گے۔ تم فکر نہ کرو تمہیں مناسب اجرت دی جائے گی۔“

ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے سمت مخالف میں موڑ لیا۔

”اب جتنا تیز چل سکتے ہو چلو۔ ہمیں وہیں جانا ہے جہاں پہلے ٹیکسی روکی تھی۔“

ٹیکسی فرارے بھرنے لگی۔ حمید مزاح کر دیکھتا جا رہا تھا۔ مگر دور دور تک کسی دوسری کار کا پیچہ نہیں تھا۔

اسے کوٹ والے مسئلے پر حیرت تھی۔ آخر وہ اس کا کوٹ اتار کر کیوں لے بھاگا اور پھر کوٹ کے متعلق اس آدمی کی بدحواسی۔

اگر کوٹ کی جیب میں کوئی بھاری رقم تھی تو جسم سے کوٹ اتارنے کے مقابلے میں جیب سے صرف رقم نکال لینا نسبتاً زیادہ آسان تھا۔ آخر حملہ آور نے کوٹ اتارنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔

واقعی یہ ایک بہت بڑی گتھی تھی جسے سلجھانا بظاہر آسان کام نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”ٹھیک! بس یہیں روک دو۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد ڈرائیور سے کہا۔

ٹیکسی رک گئی۔ حمید نے اترتے وقت پھر ایک دس کانوٹ ڈرائیور کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور

آہستہ سے بولا۔ ”سی روڈ پر سر کوئچ کے سامنے میرا انتظار کرو۔“

ٹیکسی چلی گئی اور حمید بنگلے کی طرف بڑھل پھانک اب بھی کھلا ہوا تھا اور اندر گہری تاریکی تھی۔

حمید بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ برآمدے میں بھی اندھیرا اور سناٹا تھا۔ حمید چند لمحوں

آہٹ لیتا رہا پھر آگے بڑھل گھما کر صدر دروازے کو دھکا دیا۔ اور دروازہ کھل جانے پر

سخت حیرت ہوئی۔ اسے توقع تھی کہ اسے کسی کمرے کی کاشیشہ توڑ کر اندر داخل ہونا پڑے گا۔ وہ یہ

سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک ایسی عمارت جس میں کوئی موجود نہ ہو مقتل نہ ہوگی۔ وہ دروازہ بند

کر کے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اندر کسی سے مل بھیج نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں پریشانوں میں جلا

سکتا تھا کیونکہ تلاشی کا یہ طریقہ قطعی غیر قانونی تھا۔

ابھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اندر قدموں کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور حمید تاریکی میں

سرک گیا۔ کوئی باہر ہی کی طرف آرہا تھا۔ حمید ایسی صورت میں برآمدے سے باہر نہیں جانا چاہتا

تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں دیکھ لئے جانے کا خطرہ تھا۔

کوئی دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے حمید صرف آہٹ ہی سے اُس کا

اندازہ لگا سکا تھا۔ دوسرے لمحے میں اس نے روشنی کی ایک باریک سی لکیر دروازے پر پڑتی دیکھی

اور پھر ایک ہاتھ دکھائی دیا جس میں کوئی ٹکیلا اور باریک سا اوزار تھا۔

پھر اسے یہ سمجھ لینے میں دیر نہیں لگی کہ وہ آدمی کس قسم کا ہو سکتا ہے۔ یقیناً وہ بھی چوری

چھے اس مکان میں داخل ہوا تھا اور اب اس اوزار کی مدد سے دوبارہ قفل بند کرنے جا رہا تھا۔

حمید نے سوچا کہ اب اس کا تعاقب کرنا فضول ہی ہے۔ کیوں نہ اسے اس حال میں پکڑ لے۔

ظاہر ہے کہ وہ ایک غیر قانونی حرکت کر رہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی اسی آدمی کے ساتھیوں میں

سے رہا ہو جو مالک مکان کا کوٹ اتار کر لے بھاگا تھا۔

”ٹھہرو۔۔۔۔۔!“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”میرے ہاتھ میں۔۔۔۔۔ ریوالور ہے۔۔۔۔۔ دوست!“

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس پر حیرتوں کا پہلا ٹوٹ پڑا۔ اس آدمی پر اس کی دھمکی کا مطلق

اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مشغول رہا۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

”میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔“ دوسری طرف سے جواب ملا اور حمید کے ہوش ٹھکانے

ہو گئے۔۔۔۔۔ آواز فریدی کی تھی۔ وہ خود کو بالکل گھما کر محسوس کرنے لگا۔ پھر اس نے دوسری بار

فریدی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ ”چلے آؤ چپ چاپ۔“

اس نے باہر تاروں کی چھاؤں میں ایک دھندلا سا یہ دیکھا اور نیچے ہوئے دل کے ساتھ اس

کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں باہر آئے۔

”میں تم پر فخر کروں یا یہ محض اتفاق تھا۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”نہیں مجھ پر فخر ہی کیجئے۔ کیونکہ میں آج کل دھمکی دینے کے بعد ہی ٹانگ پر گولی مار دیتا

ہوں۔ بلکہ بعض حالات میں پہلے فائر کر دیتا ہوں دھمکی بعد میں دیتا ہوں۔“

”شکر کرو میں تھا کوئی دوسرا ہوتا تو تم اس وقت کہیں اور ہوتے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”اگر آپ بول نہ دیتے تو حقیقت واضح ہو جاتی۔“

”نکو اس مت کرو۔ تمہارے پاس ریوالور نہیں ہے۔“

”ہے کیوں نہیں۔“

”اچھا سی پرائیک ایک ہزار کی شرط رہی۔“

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ سڑک پار کر کے دوسری طرف نکل آئے تھے۔

”تمہاری آواز میں وہ وزن نہیں تھا جو سچ بولتے وقت ہونا چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔

”حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کہتا رہا۔“ ذرا کھوپڑی استعمال کیا کر۔ ایسے مواقع پر یا تو خاموشی سے حالات کا جائزہ لینا چاہئے یا پھر اتنی بھرتی سے حملہ کر دینا چاہئے کہ دوسرے کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔ مگر فرزند تم ادھر کیسے آئے۔“

”ظہر یے بتاتا ہوں.... کیا گاڑی لائے ہیں آپ۔“

”ہاں.... وہ ڈی روڈ پر ہے۔“

”اچھا پھر میں پہلے اپنی ٹیکسی کا تصفیہ کر لوں۔ آپ ساتھ ہی چلیں گے نا۔“

”قطعی!...“

وہ سی روڈ پر آئے یہاں حمید نے ٹیکسی والے کو کچھ اور رقم دے کر رخصت کر دیا۔ پھر ڈی روڈ پر وہ کیڈی لاک میں بیٹھ گئے۔

”ہاں تم نے بتایا نہیں کہ تم یہاں تک کیسے پہنچے۔“

حمید نے اپنی داستان شروع کر دی اور جب کوٹ والے واقعے پر پہنچا تو فریدی بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

”یہ بڑی عجیب بات ہے۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”کہیں اس نے یونہی نہ کہہ دیا ہو کہ“

اس کا کوٹ لے بھاگا ہے۔“

”نہیں.... میں نے مارچ کی روشنی میں دیکھا تھا اس کے جسم پر کوٹ نہیں تھا۔ حالانکہ اُس سے تھوڑی سی دیر قبل جب میں نے اسے کلب میں دیکھا تھا اس کے جسم پر کوٹ موجود تھا۔“

”حمید تم نے غلطی کی۔ تمہیں موٹر سائیکل کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔“

”میرے کاموں میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی غامی رہ جاتی ہے۔“ حمید خوشگوار لہجے میں بولا۔

”نہیں کہنے کا یہ مطلب نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مجھے پہلے ہی سے اس کا علم نہ ہوتا تو تم

وہی ڈھنگ کا کام کر کے واپس لوٹنے.... خیر....!“

”آپ کو کیسے علم ہوا تھا۔“

”محض مونچھوں کے تذکرے پر۔ تم جانتے ہو وہ کون ہے۔“

”نہیں.... میں اس کا نام تک نہیں جانتا۔“

”اس کا نام رشید ہے.... اور وہ خاور کی ایک آئرن فیکٹری کا منیجر ہے۔“

”خاور کی فیکٹری کا منیجر۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”ہاں.... اور آج جب میں خاور کے بعض آدمیوں سے مل رہا تھا مجھے اس کی مونچھوں کا

قصد معلوم ہوا۔ ایسی شاندار مونچھوں پر اسٹرا چلوانا کوئی بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اسی بناء پر میں نے

اس کے مکان کی تلاشی لینے کا پروگرام بنایا۔ لیکن مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کیس پر

روشنی پڑتی ہو۔ البتہ میں اس کی ایک ایسی تصویر لئے جا رہا ہوں جس میں مونچھیں ہیں۔“

”اوہ تو اس سے بھی تصدیق ہو جائے گی۔ راجر اسٹریٹ والے اسے پہچان لیں گے۔“

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”مگر یہ کوٹ والا معاملہ۔“

لیکن اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ پھر تھوڑے دیر تک خاموشی رہی۔

”آخر آپ نے مجھے سر کس کیوں بھیجا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”محض تمہیں اور زرینہ کو ساتھ دیکھنے کیلئے۔“ فریدی ہنسنے لگا۔ ”کافی اچھے لگ رہے تھے تم

دونوں۔ مگر میں نے دو کینہ توڑ آنکھیں بھی دیکھی تھیں جو تمہیں شبہ کی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔“

”کس کی آنکھیں تھیں؟“

”ضیغ کی!...!“

”اس کا زرینہ سے کیا تعلق....!“

”زرینہ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں تمہاری بات کر رہا تھا۔“

”وہ مجھے کینہ توڑ نظروں سے کیوں دیکھ رہا تھا۔“

”اوہ... کیا تمہارے دل میں اس کے خلاف کینہ نہیں۔“

”ہے لیکن کسی خاص درجہ سے نہیں۔ مجھے اس کی لاف و گزاف پسند نہیں۔“

”کچھ بھی ہو وہ تمہیں اچھی نظر دیں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔“

”لیکن وہ مجھے کہیں بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔“

”وہ چھپ کر تمہاری نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا اور میں نے تمہیں وہاں دراصل اس لئے بھیجا تھا کہ میں ضعیف پر اس کا رد عمل دیکھ سکوں۔ اس کی صبح والی گفتگو کو میں نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ اس کا اس معاملے میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔“

”کیوں آپ نے صبح والی گفتگو کو کوئی اہمیت کچھ نہیں دی تھی۔“

”وہ اس وقت دراصل نشے میں تھا اور نشے میں وہ ہمیشہ بہت ہی لمبی چوڑی ڈینگیں مارا کرتا ہے۔“

”مگر میں کیسے سمجھ لوں کہ وہ نشے میں ہونے کی وجہ سے بہکا ہوا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”کیونکہ

خاور کے معاملات پر اس نے کافی مدلل قسم کی گفتگو کی تھی۔“

”میں ان شیعوں کے بارے میں کہہ رہا تھا جو اس نے اپنے جرائم کے سلسلے میں بگھاری تھیں۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ محض شیخیاں ہی نہ ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”اس کی شخصیت میری نظروں

میں ہمیشہ مشتبہ رہی ہے۔“

”میں بھی اُسے شبہ کی نظر سے دیکھتا رہا ہوں۔ لیکن حمید صاحب سب سے بڑی چیز ثبوت

ہے۔ اس شہر میں درجنوں ایسے افراد ہوں گے جو مجرم ہوتے ہوئے بھی قانون کی زد سے بچ

ہوئے ہوں گے۔ ہم اسی وقت کچھ کر سکتے ہیں جب جرم ہمارے علم میں آجائے۔ پھر مجرم کی

تلاش ہمارا کام ہے۔ ہاں یہ بتاؤ کہ رشید کس طرف گیا تھا۔“

”اسی طرف... ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔“

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔ ”شام کے اخبار میں تو اس بچے کے متعلق خبر

آگئی ہے اور یہ بھی تھا کہ جن قیدیوں میں بچہ لپٹا ہوا ملا ہے وہ مسٹر خاور کی ہیں۔ مسٹر خاور نے

اسے تسلیم بھی کر لیا ہے لیکن اس کا بیان ہے کہ وہ کسی ایسے بچے سے واقف نہیں۔ گمشدہ سوٹ

کیس اور اس کے متعلق خاور کے اعلانات کا بھی تذکرہ تھا۔ مگر اس مکان کے متعلق کچھ بھی نہیں

تھا جہاں بچہ پیدا ہوا تھا۔ اس بڑھیا کے بارے میں بھی کچھ نہیں تھا جسے گامگنٹ بک بیوش کیا گیا

۔ اس کی موت کی بھی خبر نہیں تھی۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی بولا۔ ”رپورٹ میں نے ہی مرتب کرائی تھی اور میرے ہی ایماء پر

اس کی اشاعت ہوئی ہے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ

جرم کو اس کا علم نہ ہوگا۔ کیا وہ یہ نہ جانتا ہوگا کہ بیہوش بڑھیا نے ہوش میں آنے کے بعد سارے

واقعات بیان کر دیئے ہوں گے اور کیا ان کی پراسرار کشیدگی کی شہرت نہ ہوئی ہوگی۔“

ٹھیک ہے وہ سب کچھ جانتا ہوگا۔ اگر نہ جانتا ہوتا تو مونچھیں منڈوانے کی ضرورت ہی نہیں

تھی۔ یہ سب کچھ مجرم کو دھوکے میں رکھنے کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ اخبارات اور پبلک کی نکتہ

چینیوں سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے۔ پتہ نہیں ہم کب مجرموں کو گرفتار کر سکیں۔ اگر دیر لگی تو اخبار

بچنے لگیں گے کہ اتنے سراغ موجود ہونے کے باوجود بھی پولیس ابھی تک کچھ نہیں کر سکی۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”اب رشید کو گرفتار کر لینے میں کیوں

ہچکچاہٹ ہے۔“

”کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ بس اس کی مونچھوں والی تصویر راجر اسٹریٹ والوں کو دکھا کر تصدیق

کرتی ہے۔ اُس کے بعد میں اُسے پکڑ لوں گا۔“

کیڈی لاک رات کے سنائے میں فرائے بھرتی رہی۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ حمید

رشید کے کوٹ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے فریدی کے ذہن میں بھی یہی رہا ہو۔

”ایک بات ہے جناب۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ضیغ کے دلائل بھی قابل قبول تھے۔

خاور جیسے دولت مند آدمیوں کے لئے یہ کام مشکل نہیں۔“

”یعنی وہ اس طرح برگشتہ بیوی کو اپنے پاس بلانا چاہتا ہے۔“

”جی ہاں! اس قسم کے شوہر اپنی بیویوں پر دھاک بٹھانے کے لئے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔

میں ایسے کئی آدمیوں کو جانتا ہوں جو عیاشی کی صلاحیت نہ رکھنے کے باوجود بھی بہت ہی مشہور قسم

کے عیاش ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی بیویوں پر صلاحیتوں کی دھاک بٹھائیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ

نگی ظاہر کرتے ہیں کہ تم ہمارے معیار پر پوری نہیں اتری ہو اسی لئے ہم تمہاری پردہ نہیں کرتے۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں تمہارے اس نظریے کی تردید نہیں کروں گا اور نہ میں

لہنے لگے۔ وہ کافی دیر تک رشید کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے تھے لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ پھر تھک ہار کر انہیں اسے ہسپتال پہنچانا پڑا۔ وہاں بھی تقریباً دو گھنٹے تک وہ اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن انہیں مایوسی ہی ہوئی۔ پھر وہ گھر واپس آ گئے۔ بہر حال ڈاکٹر نے اس کی بیہوشی کے بھی وہی اسباب بتائے جو بڑھیا کی بیہوشی کے بتائے تھے۔ یعنی رشید کو بھی گلا گھونٹ کر بیہوش کیا گیا تھا اور اس کے خیال کے مطابق رشید کی حالت بھی خطرے سے باہر نہیں تھی۔

حمید کافی دیر تک بستر ہی پر پڑا اس کے متعلق سوچتا رہا۔

فریدی کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ناشتے کے دوران ہی میں زرینہ کا فون آیا۔ وہ حمید سے آج کے پروگرام کے متعلق پوچھ رہی تھی اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس بچے کو لے کر اس کی پرورش کرنا چاہتی ہے۔ حمید اس خواہش پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اس وقت تو اسے مذاق میں ٹال دیا۔ لیکن پھر بہت دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا۔

دس بجے فریدی واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے۔

”وہ بھی ختم ہو گیا۔“ اس نے آتے ہی کہا اور فلت ہیٹ میز پر پھینک کر ایک صوفے میں گر گیا۔
”کون ختم ہو گیا؟“ حمید نے پوچھا۔

”رشید.... اور وہ بھی کوئی بیان نہ دے سکا۔ کچھ بولا ہی نہیں۔ مرنے سے دو تین گھنٹے پیشتر اس کے منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا تھا۔ بہر حال اس میں بھی وہی سب علامتیں پائی گئی ہیں جو بڑھیا میں پائی گئی تھیں۔“

فریدی خاموش ہو کر رگڑا رگڑا لگانے لگا۔

کچھ دیر سکوت رہا پھر فریدی نے کہا۔ ”دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ راجر اسٹریٹ والوں نے رشید کی تصویر دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہی آدمی زچہ کے ساتھ تھا۔“

”تو پھر اس صورت میں ہم اسے بڑھیا کا قاتل نہیں قرار دے سکتے۔“ حمید بولا۔

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ لیکن پڑوسیوں نے رشید کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو وہاں کبھی نہیں دیکھا تھا۔“

نے یہی کہا ہے کہ ضیغ کے دلائل غلط تھے۔“

”پھر کیا دشواری ہے۔“

”عدالتیں ٹھوس قسم کے ثبوت چاہتی ہیں۔ نفسیاتی امکانات پر کوئی غور نہیں کرتا۔ خاور کے کیس کے متعلق ضیغے جو کچھ بھی کہا ہے اس کے امکانات ہیں لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ حقیقت یہی ہے۔ امکانات تو اس کے بھی ہو سکتے ہیں کہ خاور کو کوئی بدنام کرنا چاہتا ہو۔ چھان بین کرنے پر مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ عنقریب ہونے والے اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے والا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے کسی حریف نے اسے بدنام کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہو۔ اگر اس کے خلاف جرم ثابت ہو جائے تو اس کی سوشل پوزیشن کیا ہوگی۔ کیا وہ اس صورت میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو سکے گا۔“

”قطعی نہیں....!“ حمید نے کہا۔ ”مجھے اس کا علم نہیں تھا۔“

اچانک کیڈی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی سڑک پر کھڑی ہوئی ایک کار پر پڑی اور فریدی کو کیڈی کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی اور وہ کار اس طرح ترچھی کھڑی ہوئی تھی کہ راستہ قریب قریب بند ہو گیا تھا۔

کچھ اور آگے بڑھنے پر انہیں ایک آدمی دکھائی دیا جو سڑک کے کنارے اونڈھا پڑا ہوا تھا۔ اس کا ایک پیر کار کے پائیدان پر تھا۔

فریدی نے کیڈی روک دی اور وہ بڑی تیزی سے نیچے اترا آئے۔

حمید نے مضطربانہ انداز میں اس آدمی کو سیدھا کیا۔

”یہ تو وہی ہے.... کیا نام بتایا تھا آپ نے۔“ اس نے کہا۔

”رشید....!“

”جی ہاں....!“

”پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی بیہوش آدمی کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔“

تعاقب

دوسری صبح حمید ذرا دیر میں بیدار ہوا اور آنکھ کھلتے ہی پچھلی رات کے واقعات ذہن میں چک

”اب آپ رشید کے کوٹ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔“

”کیا کہوں! کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اب کیس بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رشید پر بعد کو بھی اسی آدمی نے حملہ کیا تھا جو اس کا کوٹ اتار لے گیا تھا تو پھر ہمیں یہ بھی تسلیم کر لینا پڑے گا کہ وہی شخص بڑھیا کا بھی قاتل ہے کیونکہ دونوں کی موت یکساں حالات میں واقع ہوئی ہے۔ اگر اسے بڑھیا کا بھی قاتل تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ رشید اس کی شخصیت سے واقف تھا کیونکہ اس نے بڑھیا کا گلار رشید کی موجودگی ہی میں گھونٹا ہو گا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ رشید اور وہ دونوں شریک کار تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے رشید کا گلار کیوں گھونٹ دیا اور رشید کا کوٹ اتارنے کا کیا مطلب تھا۔ پھر رشید اس کوٹ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اتنی بدحواسی میں بھاگا تھا جیسے اس کوٹ کی قیمت لاکھوں روپے رہی ہو.... اب اس ساری تنگ و دو کے مقصد پر غور کرو کیا یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ خاور کو ایک غیر قانونی بچے کا باپ ثابت کیا جاسکے۔ اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں تو ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس سے خاور کو جو نقصان پہنچے گا وہ اس تنگ و دو کے مقابلے میں کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے یا نہیں۔“

”آپ خاور ہی کو اصل مجرم تصور کر کے اس مسئلے پر کیوں غور کرتے۔“ حمید بولا۔

”اچھا چلو ہم اس نقطہ نظر سے بھی واقعات کا جائزہ لیتے ہیں۔“

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”ضمیمہ کی گفتگو کا لب لباب یہی تھا کہ وہ اس طرح اپنی صلاحیتوں کا پروپیگنڈا کر کے اپنی بیوی کو واپس بلانا چاہتا ہے۔ لیکن اب سنو! اگر اس میں شوہر بننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں تو وہ بیوی کو بلا کر کرے گا کیا۔ اور اگر صلاحیت ہے تو اسے ایک نہیں ہزار عورتیں مل سکتی ہیں کیونکہ اس کے پاس دولت ہے۔ دولت سینکڑوں عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے اور پھر ایسے موقع پر جب کہ وہ الیکشن کے لئے کھڑا ہو رہا ہے کبھی یہ نہ چاہے گا کہ اس کی سوشل پوزیشن خطرے میں پڑ جائے۔ یہ حرکت اس سے الیکشن کے بعد بھی سرزد ہو سکتی تھی۔ پھر دو سال سے اس کی بیوی اس کے پاس نہیں ہے اگر وہ اس کے لئے اتنا ہی بے تاب ہے کہ اس کی واپسی کے لئے ہر صحیح یا غلط راستہ اختیار کر سکتا ہے تو اس نے ان دو برسوں کے عرصے میں اس سے کبھی ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ہمیشہ یہی کہتا رہا ہے کہ اگر اسے میرے ساتھ رہنا ہوگا تو خود ہی چلی آئے گی.... بولو.... اب کیا کہتے ہو! اچھا اور سنو۔ اگر وہ خود ہی اس حرکت کا ذمہ دار

ہولناک دیرانے

اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس نے اس سلسلے میں اپنے ایک ملازم رشید سے مدد لی تھی۔ لیکن پھر انہی کے دینے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟“

”رشید کو کیوں ختم کر دیا۔“ حمید نے حیرت سے دہرایا۔ ”کمال کرتے ہیں۔ آپ بھی.... یہ کھلی ہوئی بات ہے۔“

”یہ کھلی ہوئی بات ہے۔“

”ارے خاور نے اس سے اس معاملے میں مدد لی اور پھر اس خیال سے اسے ختم کر دیا کہ کہیں افشاں نہ کر دے۔“

”خود خاور نے ختم کر دیا۔“ فریدی مسکرایا۔ ”کیا وہ خاور ہی تھا جس نے رشید کا کوٹ اتار رکھا۔ اس پہلا سے توقع رکھتے ہو کہ وہ اتنا پھر بتلا ہو گا۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی دوسرے سے کام لیا ہو۔“

”تمہاری کھوپڑی اس وقت شاید کسی دلدل میں پھنس گئی ہے۔ رازداری کے خیال سے اس نے ایک آدمی کو ختم کر دیا اور ایک دوسرے آدمی پر اعتبار رکھتا ہے۔ کیا بکو اس ہے۔ نہیں حمید صاحب! خاور میں اس قسم کے جرائم کی صلاحیت قطعی نہیں ہے۔“

”ارے پھر کیا مجرم بھی کسی کے بطن سے پیدا کیا جائے گا۔“ حمید اپنا سر پیٹ کر بولا۔

”مجرم....!“ فریدی مسکرایا.... لیکن پھر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”کہنے کہنے خاموش کیوں ہو گئے۔ کوٹ کا مسئلہ مجھے بُری طرح پریشان کئے ہوئے ہے۔“

”کوٹ کا مسئلہ.... میں خود اسی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔“

”دیکھئے میں اس سلسلے میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔“ حمید باپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

”کیا سوچ رہے ہیں آپ۔“ فریدی مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

حمید غالباً اس کے لہجہ پر جھنجھلا گیا۔ اس لئے اس نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔

”میں کو کچھ بھی سوچ رہا ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”مجھے اس محکمہ میں آنے سے پہلے ہی

”ہنچا چکے تھے۔“

فریدی اس پر کچھ نہیں بولا۔ وہ کبھی گہری سوچ میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے اسے زریںہ سے متعلق بتایا جو اس بچے کو سرکاری پرورش گاہ سے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ حمید سمجھا تھا کہ یہ

اطلاع فریدی کو چو نکادے گی لیکن خلاف توقع فریدی نے اسے سرسری طور پر سنا لیکن اپنا خیال نہیں ظاہر کیا۔

یہ حقیقت تھی کہ رشید کی موت نے ایک بار پھر انہیں تاریکی میں چھوڑ دیا تھا۔ اور اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ فریدی صرف خاور ہی کو کھگالتا نچوڑتا رہے۔ اسے تو تو تھی کہ وہ رشید کے قاتل تک خاور ہی کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ بچے والے کیس کے سلسلے میں رشید مجرم ثابت ہوا تھا اور بچے کا تعلق خاور سے ظاہر کیا جا رہا تھا۔ ایسی صورت میں اب خاور فریدی کے سامنے تھا.... اور پھر دوسری طرف ضیغم تھا۔ لیکن اس کے خلاف فریدی اب بھی کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکا تھا۔ ویسے ضیغم کے معاملے میں بعض دوسری دشواریاں بھی تھیں۔ خاور کا کھلا ہوا دشمن تھا۔ خود اس نے اس کا اعتراف کیا تھا لیکن اب پھر یہی سوال پیدا ہوتا تھا کہ ضیغم کے نزدیک خاور کو ایک غیر قانونی بچے کا باپ ثابت کرنے میں کیا افادیت ہو سکتی تھی۔

اس سے اسے کیا فائدہ پہنچتا۔ فریدی اور حمید تین دن تک اسی موضوع پر بحث کرتے رہے لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

فریدی نے رشید کے بنگلے کی ساری چیزیں الٹ پلٹ ڈالیں لیکن اسے کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس سے بچے کی ماں کی شخصیت پر روشنی پڑتی یا اس کا سراغ مل سکتا۔ حقیقتاً اب وہی ایک ہستی رہ گئی تھی جو اس جرم کی نوعیت یا اس کے مقصد پر روشنی ڈال سکتی تھی۔ اس کی تلاش اشد ضروری تھی۔

فریدی زیادہ تر خاموش رہتا تھا۔ اس نے اپنی موجودہ مشغولیات کے متعلق حمید سے گفتگو کرنا ترک کر دیا تھا۔ یاد دوسرے الفاظ میں حمید کو بالکل چھٹی تھی۔

دوسری طرف شہر کے اخبارات روزانہ اپنے اواریوں میں نت نئی باتیں لکھ رہے تھے۔ بہتر ہے تو یہاں تک مطالبہ کر بیٹھے تھے کہ خاور کے خلاف قانونی کارروائی شروع کر دی جائے۔ بعض اخبارات نے اس واقعے کو سیاسی اغراض کے تحت بُری طرح اچھالا تھا اور وہی پرانی پٹی پلائی باتیں بد سلیقگی کے ساتھ دہرائی گئی تھیں جو عام طور پر سرمایہ داروں کے خلاف سننے میں آتی ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مقامی حکام پر بھی چوٹیں کرنا کتنا ضروری ہو جاتا ہے۔

ایک دن حمید فریدی کو چھیڑ ہی بیٹھا۔

”آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔“ اس نے کہا۔
”میں یہیں اور بہت کچھ کر رہا ہوں۔ بہت جلد تم کسی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھو گے اور یہی آنکھیں حیرت سے پھیل جائیں گی۔“

”آخر کچھ تو بتائیے۔“
”ابھی کچھ نہیں! محض شے کی بناء پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے اب یہ کیس ایک نیا رخ اختیار رہے مگر حمید کوٹ کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔“
”سنئے! ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے۔“
”کیا....؟“

”خاور کا سوٹ کیس اسی لئے اڑایا گیا تھا کہ اس کے کپڑوں کے ذریعہ اس کے خلاف ایک ثابت کیا جائے۔ ممکن ہے رشید کا کوٹ بھی اسی لئے چھینا گیا ہو۔“

”مگر رشید تو پہلے ہی سے ایک جرم میں الجھا ہوا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر اس کا کوٹ بھی اس قسم کے کسی کام میں استعمال کیا جانے والا تھا تو پھر رشید کو ختم کیوں کر دیا گیا۔ مگر نہیں حمید یہ بات نہیں ہے۔ حقیقتاً حملہ آور صرف کوٹ ہی حاصل کرنا چاہتا تھا اسے مار ڈالنے کی نیت نہیں لگتی تھی۔ اگر نیت یہ ہوتی تو وہ پہلے اسے مار ڈالتا پھر کوٹ اتار لیتا۔ رشید اس کا تعاقب کر رہا تھا لیکن اسے دونوں پھر لکرائے ہوئے۔ رشید نے کوٹ چھیننے کی کوشش کی ہو اور اسی جدوجہد میں مارا یا ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رشید اس شخص سے واقف تھا۔“

”اس کیس میں آپ بار بار اپنے نظریات تبدیل کر رہے ہیں۔ غالباً اب آپ یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ رشید حملہ آور سے واقف تھا۔ حالانکہ شاید آپ ایک بار یہ ثابت کر چکے ہوں کہ رشید حملہ آور کی شخصیت سے ناواقف تھا۔“

”تم بھول رہے ہو۔ میں نے یہ کبھی نہ کہا ہو گا۔ رشید کی موت کے بعد سے میرا نظریہ یہ رہا ہے کہ رشید اور وہ شریک کار تھے۔ کیونکہ بڑھیا اور رشید کی موتیں یکساں حالات میں واقع ہوئی تھیں۔ اگر رشید نہ مرتا تو میں اسے ہی بڑھیا کا قاتل ٹھہراتا۔“

”اوہ مگر کوٹ کی بات پھر رہ گئی۔“ حمید نے کہا۔

”کوٹ....!“ فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ ”حالات یہ کہہ رہے ہیں کہ رشید کوٹ

”یہا مطلب....!“

”مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ اس کیس کے اختتام پر ڈاڑھی نہ رکھ لیں۔ ارے سرکار کیا رکھا ان فضول باتوں میں.... بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ چار دن کی زندگی ہے اگر بوی بن کر جئے تو قبر میں افسوس کرنا پڑے گا۔“

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا تھا۔

دن بھر وہ آفس سے بھی غائب رہا اور شام کو جب آفس سے گھر آیا تو فریدی موجود تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ نہ بولنے کی قسم کھائی ہو۔

حمید نے بھی چھڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ کھانے کی میز پر بھی خاموشی ہی رہی۔

نوبے فریدی نے فون پر کوئی اہم پیغام وصول کیا۔

”چلو.... جلدی کرو۔“ اس نے حمید سے کہا۔ ”کپڑے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”کوٹ ڈال لو۔“

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی۔ فریدی کے موڈ میں جھلاہٹ کی آمیزش بھی تھی۔ اسی لئے بدنے چوں و چرا کی ہمت نہیں کی۔

فریدی نے گیراج سے کیڑی کے بجائے چھوٹی آسٹن نکالی۔ حمید سمجھ گیا کہ معاملہ اہم ہی سکتا ہے۔ یہ کار بہت ہی مخصوص قسم کی مہموں میں استعمال کی جاتی تھی۔

فریدی اب بھی خاموش تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار راجن پورے کی ایک تاریک گلی میں کھڑی کر دی گئی۔ دونوں طرف کئی منزل اونچی عمارتیں تھیں اور گلی میں اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سمجھائی دیتا تھا۔

فریدی کار سے اتر گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

گلی سے گذر کر وہ سڑک پر آ گئے۔

فریدی کو شاید کسی کا انتظار تھا۔ وہ سڑک کی دوسری طرف کے ایک بک شال پر جا کر رے ہو گئے۔ فریدی اس طرح مختلف شوکیسوں پر نظر دوڑا رہا تھا جیسے اسے کسی خاص کتاب کی تلاش ہو۔ ان دونوں نے اپنے الشروں کے کار کھڑے کر رکھے تھے اور فلٹ ایس کے گوشے

بلانوں پر جھکے ہوئے تھے۔

حاصل کرنے کے لئے حملہ آور کے پیچھے دوڑا تو ضرور تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اس کوٹ کے لئے قانونی چارہ جوئی نہ کر سکتا۔“

”کیوں نہ کر سکتا۔ یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔“

”عقل استعمال کرو فرزند....!“ فریدی سگاز سلگاتا ہوا بولا۔ ”ہم اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ رشید اور حملہ آور ایک دوسرے سے واقف تھے۔ اس نے اس پر پہلا حملہ اس کے بٹکے کے کپاؤنڈ میں کیا تھا اور حملے کا مقصد محض کوٹ چھیننا تھا۔ رشید کو مار ڈالنا نہیں۔ اُسے اطمینان

کہ رشید کوٹ کے حصول کیلئے قانونی چارہ جوئی نہیں کر سکتا ورنہ وہ اسے پہلے ہی حملے میں مار ڈالتا۔“

”ٹھیک ہے.... میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کوٹ میں کیا تھا۔ یقیناً کوئی ایسی چیز رہی ہوگی جو قیمتی تو ہو

لیکن اس کے حصول کے لئے قانون کا سہارا لینا ممکن نہ ہو گا۔“

”کیا چیز ہو سکتی ہے۔“ حمید بڑبڑایا۔

”الہام ہونے دو۔ بتا دوں گا۔“ فریدی بڑاسامنے بنا کر بولا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ ”اس کیس کے دوران میں مجھ میں ایک ذہنی انقلاب

ہوا ہے۔“

”وہ کیا....؟“

”قدامت پر بُری طرح جان دینے لگا ہوں۔ عورتوں مردوں کے آزادانہ تعلقات کو اچھی

نظروں سے نہیں دیکھتا جنسی معاملات میں جذبات کی تہذیب ناممکن ہے۔ اس سلسلے میں سائنٹیفک بحث قطعی بکواس ہے۔ بچاؤ صرف پابندیوں میں ہے۔ بعض مغربی عالم جنہیں میں گدے

سمجھتا ہوں اس سلسلے میں بڑی سائنٹیفک قسم کی بحثیں چھیڑتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ پابندیاں جنہیں بے راہروی کو جنم دیتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مغرب کدھر جا رہا ہے۔ وہاں تو اب دونوں

جنسوں کے باہمی تعلقات پر کسی قسم کی بھی پابندی نہیں رہ گئی۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ بعض مغربی ممالک کا ہر پانچواں آدمی جنسی بے راہروی کا شکار ہے۔ ذرا انسائیکلو پیڈیا سکولس اٹھا کر دیکھو۔

مغربی ممالک میں پائی جانے والی جنسی بے راہروی کی اتنی اقسام ملیں گی کہ تم سناتے میں آ جاؤ گے۔

”بہت بُرا ہوا جناب۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

شائد کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کو اس ہیئت پر تعجب نہیں ہوا تھا۔ ہوتا بھی کیوں جب کہ وہ ہر رات اس قسم کے آدمیوں کو راجن پورے کے چکر لگاتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ ارجن پورہ غریب آدمیوں کی بستی تھی اور ہر رات یہاں شہر کے متعدد لوگ اپنے منہ چھپائے ہوئے آتے۔ تنگ و تاریک گلیوں سے لڑکیاں نکل کر ان کی کاروں میں بیٹھ جاتیں اور ان گلیوں کی تاریکی جگمگاتی ہوئی سڑکوں کے اس ظلم پر روتی اور سسکتی رہ جاتی۔

غالباً کتب فروش ان دونوں کو بھی اسی قسم کا آدمی سمجھا تھا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مشغول رہا۔ اچانک ایک عورت ان کے قریب سے تیزی سے گزری۔ حمید چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ ایک دراز قد عورت تھی۔ اس نے ایک لمبا کوٹ پہن رکھا تھا اور کوٹ کے کالر پر اتنا اونچا فرنگا ہوا تھا کہ اس کا سر قریب قریب چھپ کر رہ گیا تھا۔ چال سے جو ان ہی معلوم ہوتی تھی۔ حمید نے اس کے سفید اور سبک ہاتھ دیکھے۔ چہرہ دیکھنے کی حسرت ہی رہ گئی تھی۔

فریدی نے جلدی سے ڈائجسٹ کی ایک کاپی خریدی اور حمید کا ہاتھ دبا کر آگے بڑھ گیا۔ حمید نے اس عورت کو ایک کار میں بیٹھدیا دیکھا۔ غالباً وہ بہت جلدی میں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اس بار بھی وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ فریدی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس طرف جا رہا تھا جہاں اس نے کار کھڑی کی تھی۔

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی نے اپنی کار اسی عورت کی کار کے پیچھے لگا دی ہے۔

فائروں کی گونج

حمید نے ایک جہر جھری سی لی اور اندھیرے میں فریدی کو گھورنے لگا۔ کار کے اندر تاریکی تھی۔ کبھی کبھی سڑک کی روشنی اس کے چہرے پر پھسلتی ہوئی تاریکی میں گم ہو جاتی تھی۔ فریدی کے ہونٹ بھیجے ہوئے تھے۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ ”کیا آپ نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔“

”نہیں.... کیا تم نے دیکھا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں میں بھی نہ دیکھ سکا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”ویسے آپ کے لئے ٹھیک رہے گی۔“

”کیا کہتے ہو۔“

”وہی جو کچھ دیکھتا ہوں اور قطعی محو حیرت نہیں ہوں کہ دنیا کیا ہو جائے گی۔“

حمید بچ بچ خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ عورت وہی ہے جس کی انہیں تلاش تھی مگر نہیں۔ وہ عورت تو راجن اسٹریٹ کے ایسے مکان میں تھی جہاں کی رہنے والی کسی بھی عورت سے فریغ نہیں کی جاسکتی کہ وہ کار ڈرائیو کرنا بھی جانتی ہوگی اور نہ ذاتی دولت مند ہو سکتی ہے کہ اس میں اتنا شاندار فرنگ لگاسکے۔

تھوڑی دیر بعد اگلی کار شہر کی حدود سے باہر نکل گئی اور دفعتاً حمید چونک کر بولا۔

”یہ کیا معاملہ ہے۔ اس کے آگے بھی ایک کار معلوم ہوتی ہے۔“

”ہاں وہ ارجن پورے ہی سے اس کار کا تعاقب کر رہی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

فریدی نے اپنی کار کی ہیڈ لائٹس بجھا دی تھیں اور اگلی کار کی عقبی سرخ روشنی پر نظر جمائے ہوئے راستہ طے کر رہا تھا۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ اور وہ اس وقت جھریالی کے ویرانے سے گزر رہے تھے۔

”یہ آخر کہاں جا رہی ہے۔“ حمید مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر بولا۔

”جہنم میں۔“ فریدی غریبا۔ ”بہمیت کے ان ہولناک ویرانوں میں جہاں انسانیت بسک سک کر دم توڑ دیتی ہے۔“

”لیکن اگلی کار پر کون ہے؟“

”حمید خاموش رہو.... باتیں پھر ہو جائیں گی۔“

”اچھا صرف اتنا بتا دیجئے یہ عورت وہی تو نہیں ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔“

”حقیقتاً ہمیں کسی کی تلاش نہ ہونی چاہئے تھی۔ مجرم ہمارے علم میں تھے۔“

”کون....؟“

”شیطان کا بیٹا.... حیوان کی بیٹی۔“

”آغا حشر یاد آ رہے ہیں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”شٹ اپ....!“ فریدی بچ بچ غصے میں تھا۔

اب وہ اس علاقے میں تھے جہاں لوگ دن کے اجالے میں بھی جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔

اگلے دونوں کاریں سڑک چھوڑ کر کچے راستے پر اتر گئی تھیں اور ان کی روشنیاں بجھی ہوئی نہیں

تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ سب سے آگے والی کار ڈرائیو کرنے والا عورت والی کار کے وجود سے بے خبر نہیں تھا۔

اور پھر اچانک ایک جگہ سب سے آگے والی کار رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی عورت کی کار بھی رکی۔

ادھر فریدی نے بھی اپنی کار روک دی۔

”تم مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتے سمجھے۔“ انہوں نے ایک نسوانی آواز سنی۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

وہ دونوں کار سے اتر کر زمین پر لیٹ گئے۔ عورت ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں معلوم ہوتی تھی۔ ”بکواس مت کرو۔“ یہ کسی مرد کی آواز تھی۔ ”میں نے تمہیں ایک بات سے آگاہ کرنے کے لئے بلایا ہے۔ وہ یہ کہ آج سے میں تمہارا مالک ہوں۔“

”اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں۔ میں خود اپنی مالک ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے کسی معاملے میں مجبور نہیں کر سکتی۔“

”اگر یہ بات ہے تو تم جاسکتی ہو۔“ مرد بولا۔

”تمہارے لمبے میں وہمکی ہے۔“ عورت نے کہا۔ ”لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری زبان کی ایک ہلکی سی جنبش تمہیں پھانسی کے تختے تک پہنچا سکتی ہے۔“

مرد نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ”خام خیالی ہے۔ میں کبھی کوئی کچا کام نہیں کرتا۔“

اچانک ایک فائر ہوا اور کسی کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں عورت چیخنے لگی۔

”کون ہے....؟ یہاں کیا ہو رہا ہے۔“ دفعتاً فریدی کی گردن آواز سنائے میں لہراتی چلی گئی۔ اور وہ اس طرح چیختی جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو.... حمید اور فریدی آواز کی طرف دوڑنے لگے۔ لیکن اب سنانا چھا گیا تھا۔

قریب ہی ایک کار اشارت ہوئی اور فرائے بھرتی ہوئی اندھیرے میں گم ہو گئی۔ اس کی ساری روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔

فریدی کی ٹارچ کی روشنی نے دوسرے ہی لمحے میں اسے جالیا۔ لیکن حمید کو اس پر حیرت

ہوئی کہ فریدی نے اسے نکل جانے دیا۔ حالانکہ وہ اس کا تعاقب بھی کر سکتا تھا۔ فریدی ٹارچ بجھا کر دوسری کار کی طرف مڑا جو ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ اس نے پھر ٹارچ روشن کی اور روشنی کا دائرہ اس سبھی ہوئی عورت پر پڑا جو اپنی کار میں بیٹھنے ہی والی تھی۔

”شہر....!“ فریدی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”میا بات تھی۔“

”اوہ.... وہ مجھے لوٹنا چاہتا تھا۔ لیکن میں بچ گئی۔ میری رقم بچ گئی۔ آپ ٹھیک وقت پر پہنچے۔ بہت بہت شکریہ۔“

حمید غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک وجہہ اور صحت مند عورت تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان میں رہی ہوگی۔ چہرہ پر کشش مگر سخت گیسروں کا سا تھا۔ آنکھوں کی بناوٹ صاف کہہ رہی تھی کہ وہ اپنی مقصد براری کے سلسلے میں انتہائی بے رحم بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

”آپ یہاں اس ویرانے میں اس وقت کیا کر رہی تھیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

اور پھر اس عورت نے اتنی صفائی اور بے تکلفی سے جھوٹ بولا کہ حمید اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ اس نے کہا۔ ”میں تار جام سے واپس آرہی تھی۔ راہ کے ایک چائے خانے میں اس آدمی سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں اس نے بتایا کہ وہ ایک ایسا راستہ بھی جانتا ہے جس سے آدھے ہی وقت میں شہر تک کی مسافت طے ہو جائے گی۔“

”خوب.... لیکن فائر کس نے کیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اسی نے....!“

”میرا خیال ہے کہ وہ کوئی پاگل تھا۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”کیونکہ پہلے تو اس نے فائر کیا پھر گلا گھونٹنے لگا۔“

”نہیں.... وہ میرا وینٹی بیگ چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ گلا نہیں گھونٹا تھا۔“ عورت نے کہا۔

”تو اب آپ کہاں جائیں گی۔“

”شہر....!“

”چلے میں ساتھ چل رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ پھر حملہ کرے۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ نہیں.... آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔“

”تعجب ہے کہ آپ کو خطرے کا احساس نہیں۔ میں آپ کی گاڑی میں بیٹھ کر چلوں گا اور

میرے ساتھی میری گاڑی لے جائیں گے۔“

”نہیں میں تنہا جاؤں گی۔“

”آپ تنہا نہیں جائیں گی۔“ فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔

”کیا آپ بھی اسی ڈاکو کے ساتھیوں میں سے ہیں۔“ عورت نے بے باکی سے کہا۔

”نہیں میں اس کے ساتھیوں میں سے ہوں جس نے اپنی مونچھیں منڈوا دی تھیں۔“

عورت چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں بدحواسی کے آثار دیکھے۔

”اور محترمہ.....!“ فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ ”آپ کے وہی بیگ میں اعشاریہ دو پانچ کا پتول ہے اسے میرے حوالے کر دیجئے۔“

”تم کون ہو۔“ اچانک عورت نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”میں کوئی بھی ہوں لیکن میں تمہاری ہی گاڑی میں سفر کروں گا۔“ فریدی نے کہا اور اس کے ہاتھ سے اس کا وہی بیگ چھین لیا۔

عورت شور مچانے لگی۔

فریدی نے قہقہہ لگایا اور آہستہ سے بولا۔ ”اب یہاں کوئی چوٹھا آدمی موجود نہیں ہے۔ اس دیرانے سے لوگ دن کو بھی نہیں گزرتے کیونکہ میلوں تک انہیں کہیں درخت کا سایہ نہیں نصیب ہوتا۔ چلو اب بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارے جسم میں ہاتھ نہ لگانا پڑے۔“

”کیا آپ نے اس خادم کو فراموش کر دیا۔“ حمید غمگین لہجے میں بولا۔ ”یہ خاکسار ایسے فرائض بخوبی انجام دے سکتا ہے۔“

عورت چپ چاپ دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی فریدی دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیرنگ کے پیچھے پہنچ گیا۔ حمید اس وقت تک نیچے ہی کھڑا رہا جب تک فریدی نے کار اشارت نہیں کر دی۔ پھر وہ چھوٹی آشن میں جا بیٹھا۔

فریدی نے عورت کے وہی بیگ سے پتول نکال کر بیگ اسے واپس کر دیا تھا۔

”اب اپنا بیگ دیکھ لو۔ کہیں میں نے رقم نہ نکال لی ہو۔“

عورت کچھ نہ بولی۔ وہ اس سے بہت زیادہ مرعوب نظر آ رہی تھی۔

”آپ کون ہیں۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”میں کوئی بھی ہوں لیکن میں کبھی کوئی غیر قانونی قسم کی حرکت نہیں کرتا۔“

عورت پھر خاموش ہو گئی۔ فریدی اس کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آواز صاف سن رہا تھا۔

”دوسرے تم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ کروں۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب.....!“ اس بار عورت کے لہجے میں سختی تھی۔

”میں رشید اور اس کی مشغولیات سے اچھی طرح واقف تھا۔“

”میں کسی رشید کو نہیں جانتی۔“

”ہاں اب نہ جانتی ہو گی کیونکہ وہ بیچارہ اب اس دنیا میں نہیں۔“

”آپ نہ جانے کہاں کی باتیں کر رہے ہیں۔“

”یہ اسی عالم آب و گل کی باتیں ہیں۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ لوگ خواہ خواہ ایک شریف عورت کو پریشان کر رہے ہیں۔ میں آپ کے خلاف قانونی کارروائی کروں گی۔“

”اور گواہوں میں اس بچے کو پیش کیجئے گا جو سرکاری پرورش گاہ میں ہے۔“

”پتہ نہیں کیا کواں ہے۔“ عورت اونچی آواز میں بولی۔ ”آج سب پاگل ہی مل رہے ہیں۔“

فریدی ہنسنے لگا مگر ہنسنے کا انداز بڑا زہریلا تھا۔

”اس میں شک نہیں کہ تم ایک دلیر عورت ہو اور بہتر سے مردوں پر سبقت لے جا سکتی ہو..... مگر آخر عورت ہی ہو۔ ایک مرد کے سامنے بے بس ہو گئیں اور اب میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اب رشید کا کوٹ اس کے پاس نہیں ہے۔ وہ تمہیں خواہ خواہ دھمکا رہا تھا..... رشید کا کوٹ میرے پاس ہے۔“

”آپ کے پاس۔“ عورت بے ساختہ بولی پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگی۔ ”کیا دت دن رشید..... میں کسی کو نہیں جانتی۔“

”نہ جانتی ہوں گی۔“ فریدی نے لا پرواہی سے کہا اور خاموش ہو گیا۔

کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور سڑک بالکل سنسان نظر آ رہی تھی۔

اچانک ایک کراسنگ پر بائیں طرف سے ایک کار بڑی تیزی سے آکر راہ میں حائل ہو گئی۔ اگر فریدی بڑی پھرتی سے بریک لگا کر کار سڑک کے نیچے نہ اتار دیتا تو ایکسڈنٹ لازمی تھا۔ یہی کیفیت حمید کی بھی ہوئی۔ وہ بھی کار کو سڑک کے نیچے اتار لے گیا۔ فریدی ابھی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ تیسری کار سے فائر ہوا۔ لیکن گولی پچھلے دروازے کے شیشے پر پڑی۔

”لیٹ جاؤ... لیٹ جاؤ۔“ فریدی نے عورت کو جھنجھوڑ کر کہا اور خود چھلانگ مار کر باہر نکل گیا۔ اور اس نے اترتے اترتے تیسری کار کے دروازے پر فائر کر دیا۔ حمید والی کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی تیسری کار پر پڑ رہی تھی۔ اس بار تیسری کار کی اوٹ سے فائر ہوا۔

حمید بھی کار سے اتر آیا تھا لیکن اس کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ اندھیرے میں فائر ہوتے رہے۔ اتنے میں حمید کو ایک تدبیر سوچھ گئی۔ وہ چھوٹی آسٹن کے پیچھے آکر اسے سڑک کی طرف دھکیلتا گیا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ سڑک پر پہنچنے کے بعد اس کا رخ تیسری کار کی طرف کیسے موڑا جائے۔ وہ دراصل کار کو دھکیلتا ہوا تیسری کار کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ کار کی اوٹ لئے ہوئے تیسری کار تک پہنچ جاتا جسکے پیچھے سے ایک نامعلوم آدمی فریدی پر گولیاں برسا رہا تھا۔ حمید کی یہ تدبیر ناکام رہی۔ کار کو موڑنے کے لئے اسے اس کی آڑ سے نکل کر اسٹیرنگ تک جانا پڑا۔ لیکن کار کی آڑ سے ٹکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ تھوڑی تھوڑے وقفے سے وہ فائر کی آوازیں سنتا رہا۔

اس کے لئے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ فریدی کہاں سے فائر کر رہا ہے۔ اچانک اس نے عورت والی کار کو بھاگتے دیکھا۔ وہ سڑک چھوڑ کر جھریالی کی چھیل میدان میں دوڑ رہی تھی۔

”دیکھنا اسے۔“ حمید نے فریدی کی آواز سنی اور وہ کسی قسم کے خطرے کی پرواہ کئے بغیر کار کی آڑ سے نکل آیا۔ پھر اس نے فائروں کے ساتھ ہی ساتھ یکے بعد دیگرے دو دھماکے سنے جو فائروں کی آواز سے مختلف تھے۔ شاید فریدی نے تیسری کار کے فائروں پر فائر کر کے انہیں بیکار کر دیا تھا۔

حمید نے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے اسے میدان میں اتار دیا۔ عورت والی کار کی عقبی سرخ روشنی بہت دور اندھیرے میں چمک رہی تھی۔

حمید کار کی رفتار تیز کرتا رہا۔ اسے نہ سمت کا احساس تھا اور نہ مقام کا۔ بس وہ کسی نہ کسی طرح اگلی کار تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

عورت بھی شاید راستے سے ناواقف تھی اور ”جدھر سینگ سمائے بھاگو“ والے محاورے پر عمل کر رہی تھی۔

حمید نے اسے جلد ہی جالیا۔ دونوں کاروں کا فاصلہ مشکل سے دس گزرہ گیا تھا۔ اچانک اس نے عورت کی آواز سنی جو چیخ کر کہہ رہی تھی۔ ”میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تمہیں کتنی رقم چاہئے۔“ ”صرف دس ہزار۔“ حمید نے ہانک لگائی۔ ”کار روک کر معاملہ طے کر لو۔“ اگلی کار کی رفتار کم ہو گئی اور ساتھ ہی حمید نے بھی رفتار کم کر دی۔ دونوں کاریں ساتھ ہی رک گئیں۔

حمید چھلانگ مار کر نیچے آگیا۔ عورت بھی کار سے اتر آئی۔

”مگر تم... تم کون ہو۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔

”اس آدمی کا ساتھی جو تمہاری کار میں تھا۔“

”کیا بیچ بچہ وہ کوٹ اب تم لوگوں کے پاس ہے۔“

”ہاں... ہاں بالکل۔“ حمید جلدی سے بولا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ فریدی نے اس پر اپنی اصلیت نہیں ظاہر کی۔

”اس کوٹ کی اہمیت سے واقف ہو۔“ عورت نے پوچھا۔

”حمید سوچنے لگا کہ عورت بہت چالاک معلوم ہوتی ہے۔“

”میرا ساتھی سب کچھ جانتا ہے۔“ حمید نے جواب دیا۔

”تم نہیں جانتے۔“

”میں تو صرف تمہیں جانتا ہوں۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”مجھے جانتے ہو۔“ عورت کے ہلچے میں سراپیسگی تھی۔

”جب سے تمہیں دیکھا ہے سب کچھ بھول گیا ہوں اور اگر تمہارے لئے دو چار قتل بھی

کرنے پڑے تو باز نہ آؤں گا۔ بڑی مونچھوں والا بے وفا تھا۔ مجھے بھی آزما کر دیکھ لو۔“
”مجھے ایک ہمدرد کی ضرورت ہے۔“ عورت گلوگیر آواز میں بولی۔

”فکر نہ کرو میں تمہارے لئے جان تک دے سکتا ہوں۔ ویسے میری شکل بھی دیکھ لو نہ میں صورت سے بد معاش معلوم ہوتا ہوں اور نہ بد صورت ہوں۔“ حمید نے نارچ کی روشنی اپنے چہرے پر ڈالی۔

”تم بہت اچھے ہو۔“ عورت نے کہا۔ ”میری مدد کرو گے۔“
”ارے تم کچھ کہہ کر بھی تو دیکھو۔ تمہیں مصیبت سے نکالنے کے لئے اپنے ساتھی کی گردن بھی اڑا سکتا ہوں۔“

”مجھے وہی سب کچھ چاہیے جو تمہارے ساتھی نے اس آدمی سے چھینا ہے۔“
”بہت مشکل ہے جان کی بازی لگانی پڑے گی۔ مگر خیر! اچھا تو ایک تدبیر ہے۔ خود کو ہم لوگوں کے حوالے کر دو۔ جو کچھ میرا ساتھی کہے اس سے انکار نہ کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دو دن کے اندر تمہارے مطالبات پورے کر دوں گا۔“
”میں تیار ہوں۔“ عورت نے ایک طویل سانس لی۔

ویرانے میں جنگ

تھوڑی دیر بعد دونوں کلاں آگے پیچھے واپس ہو رہی تھیں۔ عورت کی کار آگے تھی حمید نے اس وقت جنگی بجائے ایک دشوار مسئلہ حل کر لیا تھا۔ وہ عورت کو بے بس کر کے قیدی کی حیثیت سے بھی ہلے جاسکتا تھا مگر اس صورت میں اسے ایک کار وہیں چھوڑ دینی پڑتی لیکن وہ اس پر تیار نہیں تھا۔

بہر حال اب وہ اپنی خوشی سے دوبارہ ان کے ہاتھ پڑ گئی تھی۔

وہ ٹھیک اسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن اب یہاں سناٹا تھا۔ کار ضرور موجود تھی مگر اس کے آس پاس زندگی کے آثار نہیں تھے۔

حمید سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ اس نے نارچ روشن کر کے کار کا جائزہ لینا شروع کیا۔ پچھلے دونوں مار پھٹ کر بیکار ہو چکے تھے اور حمید نے ایک خاص بات مارک کی۔ کار میں نمبر کی پلیٹ

نہیں تھی۔ اور ٹیل لائٹ کے نیچے دو ایسے ہک لگے ہوئے تھے جن میں وقتی طور پر نمبروں کی پلیٹ پھنسا کر اسے دوبارہ الگ کیا جاسکتا تھا۔

”کیا یہ اسی کی کار ہے جو تمہیں یہاں لایا تھا۔“ حمید نے عورت سے پوچھا۔
”ہاں....!“ عورت نے جواب دیا۔ چند لمبے خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ ”تمہارا ساتھی کہاں گیا.... مگر میں نہیں سمجھ سکتی۔“
”کیا نہیں سمجھ سکتیں۔“

”تم لوگ صورت سے بُرے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔“
”اوہ تو کیا رشید صورت سے بُرا آدمی معلوم ہوتا تھا۔“ حمید آہستہ سے بولا۔
عورت نے کوئی جواب نہ دیا۔

حمید سوچنے لگا کہ اب شہر کی طرف چل دینا چاہئے۔ پتہ نہیں فریدی کہاں ہو۔ اس لق ودق ویرانے میں کسی کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔

”اُو چلیں شہر واپس چلیں۔“ اس نے عورت سے کہا۔
”نہیں میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں کوئی چھپنے کی جگہ تلاش کرنا چاہئے۔“ عورت بولی۔ ”اور صبح تک وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے ساتھی کی لاش قریب ہی پڑی ہو گی۔“
”کیوں....! یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔“
”ضیغم بہت خطرناک آدمی ہے۔“

”ضیغم....!“ حمید ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ فریدی نے ایک بار بحث کے دوران میں ضیغم کو بالکل ہی الگ کر دیا تھا اس نے ثابت کیا تھا کہ ضیغم کو اس حرکت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

”تم ضیغم کا نام سن کر سناٹے میں کیوں آگئے۔“

”میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ سرکس کا مسخرہ میرے ساتھی کو کس طرح مار سکتا ہے۔“
”وہ درندہ ہے۔“

”کون ضیغم....!“ حمید نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ قریب سے اسے ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا اور ساتھ ہی اس کی نارچ کی روشنی دور تک پھیلتی

فریدی اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ وہ جلد ہی ان کے قریب پہنچ گیا۔

”کیا ہوا....؟“ حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

”نکل گیا.... لیکن.... اوہ کیا تم اسے لے آئے۔“

”ہاں یہ اب سیدھی ہو گئی ہیں اور ہم بد معاشوں کو اس بد معاش پر فوقیت دیتی ہیں۔“

”چلو واپس چلیں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں صبح اس سے سمجھ لوں گا۔ وہ سمجھتا ہے

شائد میں اس سے واقف نہیں ہوں۔“

پھر اس نے عورت کی کار کا دروازہ کھولتے ہوئے اس سے کہا۔ ”چلو بیٹھو۔“

عورت دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ پشت سے ان پر نارنج کی روشنی پڑی اور ساتھ

ہی ایک گرج دار آواز سنائی دی۔ ”تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“

”بہت اچھا میرے ننھے نالائق۔“ فریدی ہنستا ہوا چلا۔

انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے تھے۔

”عورت! تم میرے پاس آ جاؤ۔“ آنے والے نے کہا۔ ”اور تم دونوں کار کے پاس سے ہٹ

کر اس وقت تک چلتے رہو جب تک نارنج کی روشنی نظر آئے۔“

”بیچارہ جھنجھٹ کر رہے ہو۔“ فریدی بولا۔ ”بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں کو گولی مار دو اور اس

کے بعد زندگی بھر پانی سے مکھن نکالتے رہنا۔“

”نہیں میں خواہ مخواہ خون نہیں بہانا چاہتا۔ لیکن اگر میرے کہنے پر عمل نہ کرو گے تو سچ

بے دریغ تم لوگوں کو گولی مار دوں گا۔“

”ہم مرنا ہی چاہتے ہیں دوست! تم فائر کرو۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”مگر حمید کونہ جانے

کیوں اس کی ہنسی بڑی خوفناک معلوم ہوئی۔“

اور پھر اچانک فریدی نے اس کی طرف چھلانگ لگائی۔ دوسرے ہی لمحے میں جلتی ہوئی نارنج

زمین پر تھی۔

حمید نے اپنی نارنج روشنی کر لی۔ فریدی ایک نقاب پوش سے گھٹا ہوا تھا۔

دفعاً حمید نے محسوس کیا کہ عورت پھر بھاگنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ حمید نے جھپٹ کر اس کا

تھ پکڑ لیا۔

”تم کہاں چلیں۔“

”مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔“

”نہیں یہ منظر ضرور دیکھو۔ ابھی تم اسے درندہ کہہ رہی تھیں۔“

نقاب پوش ایک بار پھر فریدی کی گرفت سے نکل گیا۔ لیکن بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

حمید نے صرف فریدی کی ٹانگ چلتے دیکھی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے نقاب پوش ہوا میں اڑ گیا ہو۔

وہ کئی فٹ اونچا اچھل کر دھم سے زمین پر آگرا۔ اس پر فریدی کی لات پڑی اور وہ سر پکڑ کر زمین

پر ٹپنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”ضیغ کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔“ حمید نے عورت سے کہا۔

وہ کھڑی مری طرح کانپ رہی تھی۔

نقاب پوش پھر اٹھا اور اس بار اس کا حملہ بڑا شدید تھا۔

فریدی ایک طرف ہٹ گیا اور وہ اپنے ہی زور میں عورت کی کار سے آٹکرایا۔ لیکن شائد اب

اس میں پلٹنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ وہ اٹھا اور کار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

”اب! ضیغ کو بے نقاب کر دو۔“ فریدی ہنستا ہوا بولا۔ ”بیوقوف کہیں کا! اگر اس کے پاس

کار توں ہوتے تو یہ پہلے ہی کیوں بھاگتا۔“

لیکن اس جملے پر ایسا معلوم ہوا جیسے ضیغ سوتے سوتے یک بیک جاگ اٹھا ہو۔

اور پھر ایک بھوکے بھیڑیے کی طرح فریدی پر ٹوٹ پڑا۔ ابھی تک شائد وہ یہی سمجھے ہوئے

تھا کہ وہ پہچانا نہیں جاسکا۔

اس بار کی جدوجہد زندگی اور موت کی جدوجہد تھی۔ اس قسم کی جدوجہد ہمیشہ خطرناک ہوتی

ہے جب ایک آدمی یہ سوچ لے کہ موت ہی میں اس کی بچت ہے خواہ وہ اس کی اپنی موت ہو یا اس

کے حریف کی اور اس بار سچ فریدی کو دانتوں پسینہ آگیا۔ لیکن وہ بھی اس نفسیاتی لمحے سے بے خبر

نہیں تھا.... وہ جانتا تھا کہ اس وقت ذرا سی غفلت بھی اسے ہمیشہ کے لئے سلا سکتی ہے۔

یہ ضیغ نہیں تھا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے سر کس کا کوئی شیر کنہر اتوڑ کر باہر نکل

آیا ہو جسے ایک ہفتے سے خوراک نہ ملی ہو۔

ایک بار تو اس نے فریدی کو گرا ہی لیا اور اس کی گردن پر مشاقی کے کمال کا مظاہرہ کرنے ہی والا تھا کہ فریدی کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اس کی ہنسی کی ہڈیوں میں دھنسن پڑیں۔۔۔۔ اور دھنسی ہی چلی گئیں۔

پھر قبل اس کے کہ حمید اس کی مدد کے لئے پہنچتا ضیغم خود ہی نیچے آ گیا۔

فریدی کا داہنا ہاتھ اس کے چہرے پر تھا اور ضیغم کے حلق سے پھنسی پھنسی سی کراہیں نکل رہی تھیں۔ آخر کار وہ بالکل ہی خاموش اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

فریدی نے اس کے چہرے سے نقاب الگ کر دیا۔

ضیغم زمین پر چت پڑا تھا اور اس کی ناک سے خون نکل کر دونوں گالوں پر بہہ رہا تھا۔ عورت کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

ضیغم بے ہوش ہو گیا تھا۔ فریدی اور حمید نے اٹھا کر اسے کار میں ڈال دیا۔

جہزیالی کے میدانوں کا سناٹا بڑا ہولناک معلوم ہو رہا تھا۔ پھر وہی اتنا ہی سکوت طاری ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پچھلی سیٹ پر ضیغم بیہوش پڑا تھا اور اگلی سیٹ پر فریدی اسٹیرنگ کر رہا تھا۔ عورت اس کے ساتھ تھی۔

شہر پہنچ کر فریدی نے بیہوش ضیغم کو کو توالی میں چھوڑا اور عورت کو ساتھ لئے ہوئے گھر واپس آ گیا۔ حمید کو اس کے رویے پر حیرت ضرور ہوئی لیکن اس نے کچھ پوچھا نہیں۔ البتہ اب عورت کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اگر وہ بد معاش ہوتے تو کو توالی کا رخ کبھی نہ کرتے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ عورت چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اب وہ برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

”کیا ضیغم شروع ہی سے رشید کے ساتھ تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”آپ کون ہیں۔“ عورت نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”محکمہ براغ رسانی کا ایک آفیسر۔۔۔ مجھے فریدی کہتے ہیں۔“

عورت کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ ہمیشہ کے لئے کوٹھی ہو گئی ہو۔

”تم بولتی کیوں نہیں ہو۔“ فریدی گرج کر بولا۔ ”یہ نہ سمجھو کہ تمہاری خاموشی اس جرم پر پردہ ڈال دے گی اور تمہاری غلط بیانی بھی تمہیں نہ بچا سکے گی۔ اس وقت وہ تصویریں ضیغم کی جیب ہی میں تھیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے اس نے رشید کا کوٹ چھینا تھا۔ رشید نے انہیں اپنے ٹاٹ کے استر میں چھپا لیا تھا۔“

عورت نرمی طرح کانپنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا لیکن یہ شدت خوف کا نتیجہ نہ۔ وہ رو نہیں رہی تھی۔

”میں پوچھتا ہوں کیا بڑھیا کا گلا ضیغم ہی نے گھونٹا تھا۔“

”ہاں۔۔۔۔!“ عورت کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے کوئی تیز چھری اس کا آدھا رخہ کاٹ چکی ہو۔

”تصویریں رشید نے لی تھیں۔“

اس بار عورت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”حمید اسے تھوڑی براہی دو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ عورت نے اس پر یہ نہیں کہا کہ وہ شراب نہیں پیتی۔ حمید چلا گیا۔۔۔۔ فریدی خود کبھی نہیں پیتا تھا۔ لیکن مہمانوں کے لئے رکھتا ضرور تھا۔ جب تک براہی نہیں آگئی اس نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

عورت حمید کے ہاتھ سے گلاس لے کر اس چڑھا گئی جیسے حقیقتاً اسے اس کی ضرورت رہی ہو۔ وہ تقریباً دس منٹ تک آنکھیں بند کئے آرام کرسی میں پڑی رہی۔ پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اب اس کے چہرے پر پھر وہی پہلے سے زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔

وہ چند لمحے فریدی کو گھورتی رہی پھر اس نے کہا۔ ”تصویریں آپ کے پاس ہیں تو ہوا کریں۔ میں ہر قسم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے کسی بات کی پروا نہیں۔ آپ مجھ سے کسی بات کا اعتراف نہیں کرا سکتے۔“

”مجھے اعتراف کرانے کی ضرورت نہیں۔ اس سلسلے میں وہ کون سا ایسا راز ہے جو مجھ پر ظاہر نہیں ہو چکا۔ میں تمہیں سب کچھ بتا سکتا ہوں۔ تمہارے اور رشید کے تعلقات قائم ہوئے تم

”اس کی اسکیم کے تحت تو بھرموں کا ہرگز یہ مقصد نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ بات پولیس پر بر ہو جائے ورنہ پھر بلیک میلنگ کیسے ہو پاتی۔“

”ٹھیک ہے.... وہ سمجھے تھے کہ جرم اس کے خلاف ثابت نہیں ہو سکے گا۔ حمید صاحب یہ رکت تو محض اس لئے کی گئی تھی کہ حالات میں شدت پیدا کی جاسکے۔ یعنی اس کیس کے سلسلے میں کسی نہ کسی طرح خاور کو بھی ملوث کر لیا جائے اور اس کا نام بھی پولیس ریکارڈ میں موجود رہے۔ اس طرح اس عورت پر بھرموں کی گرفت اور زیادہ مضبوط رہتی اور اس عورت کو خود بھی اس کا احساس رہتا کہ اس کی ذرا سی لغزش بھی اسے جہنم میں پہنچا سکتی ہے۔ لہذا وہ بے دریغ بھرموں کے مطالبات پورے کرتی رہتی۔“

”مگر پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ ضیغ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔“

”ٹھیک ہے اس وقت کیس کے متعلق نظر یہ دوسرا تھا۔ اس وقت یہ عورت تاریکی میں تھی۔ اس کی شخصیت تو رشید کے کوٹ اور اس کی موت کے واقعات کے بعد سے ابھری ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اس کوٹ کی حیثیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے حصول کے لئے قانونی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی۔ پھر ساتھ ہی مجھے بڑھیا کا ہڈیاں یاد آیا۔ وہ بھی بکتی رہی تھی۔“

”بے شرم کیمرہ ہٹاؤ.... یہاں سے جاؤ۔“ اب میں نے کیس پر دوسرے ہی پہلو سے غور کرنا شروع کر دیا۔ ایسے موقع پر تصویریں لینے کا مقصد بلیک میلنگ کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا اور بلیک میل مفلسوں یا غیر اہم ہستیوں کو نہیں کیا جاسکتا۔ معا میرا خیال خاور کی بیوی کی طرف گیا جو دو سال سے اپنے شوہر سے نہیں ملی تھی۔ میں نے سعید آباد میں تفتیش کرائی اور مجھے یہ رپورٹ ملی کہ عورت تین ماہ سے وہاں نہیں ہے۔ پھر میں نے اس کی تصویر حاصل کی اور یہیں شہر ہی میں اس کی تلاش شروع کر دی۔ تم جانتے ہو کہ میری بلیک فورس کے آدمی اس کام میں کتنے پھر تیلے ہیں۔“

وہ چند لمبے خاموش رہا پھر بولا۔ ”اس سازش میں دوز بردست کمزوریاں تھیں جن کی بنا پر مجرم پکڑے گئے ورنہ ان تک پہنچنا بہت دشوار ہوتا۔ پہلی بات تو یہ کہ خاور کی قمیض اور انگشتی استعمال کرنا سب سے بڑی حماقت تھی دوسری خامی یہ کہ بڑھیا کو سکسنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اگر اس کے ہڈیاں کا علم مجھے نہ ہوتا تو تصویروں تک ذہن کی رسائی ممکن نہ ہوتی۔ ہاں ایک خامی اور.... رشید کو چاہئے تھا کہ راجا سٹریٹ میں زچگی کے لئے مکان حاصل کرنے سے قبل ہی اپنی

جذبات کی رو میں بہہ گئیں اور تمہیں آخر وقت تک اس کی نیت پر شبہ نہیں ہوا۔ یہ حقیقت تمہارے اس وقت کھلی جب وہ انتہائی بے حیائی سے تمہاری تصویریں لے رہا تھا اور اسی وقت تمہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ رشید کا ایک شریک کار بھی ہے۔ بڑھیا نے رشید کی بے حیائی پر احتجاج کیا تھا۔ اس پر ضیغ نے دوسرے کمرے سے نکل کر اس کا گلا گھونٹ دیا.... اور پھر اس وقت تمہیں ہوش آیا اس وقت یہ بات تمہاری سمجھ میں آئی کہ یہ دونوں تمہیں بلیک میل کرنے کے لئے مواد اکٹھا کر رہے ہیں۔ وہ تصویریں ساری زندگی تمہارے حواس پر مسلط رہیں اور وہ تمہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹتے رہتے۔ تم سے کافی لمبی لمبی رقیں وصول کی جاتیں.... کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں.... اور کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ تم خاور کی بیوی ہو۔“

عورت کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ پھر آرام کرسی میں گر گئی۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کبھی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عورت کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف۔

”خاور کی بیوی۔“ حمید نے معجزانہ انداز میں دہرایا۔

”جناب خاور کی بیوی۔ جو دو سال سے خاور سے الگ تھی۔ خاور کے ایک بلازم رشید نے اس پر ڈورے ڈالے اور اپنی چال میں کامیاب ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے خاور کو اس بات پر ابھارا ہو کہ اب اسے اپنی بیوی سے صلح کر لینی چاہئے۔ اس طرح یہ سونے کی چڑیا ہمیشہ اس کی مٹھی میں رہتی اور وہ وقت بے وقت ان تصویروں کی تشہیر کی دھمکی دے کر اس سے لمبی لمبی رقیں وصول کرتا رہتا اس اسکیم میں غالباً ضیغ شروع ہی سے شریک رہا ہے لیکن بعد میں اس نے تصویریں رشید سے چھین لیں۔ وہ تنہا ہی اس سونے کی چڑیا کا مالک بننا چاہتا تھا۔ اور پھر ایک بات اور بھی تھی۔ خاور اور ضیغ ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر خاور لاوڈم مر جائے تو اس کی دولت کا مالک ضیغ ہی ہو گا۔ لہذا یہ تصویریں وہ دوسرے مقصد کے لئے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ فرض کرو خاور کبھی کچھ باپ بننے والا ہو تا تو یہ تصویریں اس تک پہنچا دی جاتیں۔ پھر اس کی بیوی کا جو کچھ بھی انجام ہوتا ظاہر ہے۔ لازمی امر ہے کہ خاور ایسی صورت میں اسے اپنا بچہ تسلیم کرنے پر تیار نہ ہو تا اور ضیغ بدستور اس کے ترکے کا امیدوار رہتا۔“

”لیکن سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں خاور کی قمیضیں کیوں استعمال کی گئی تھیں۔“ حمید نے

مونچھیں صاف کرادیتا۔ اس طرح اس کے ملے کا طرہ امتیاز ختم ہو جاتا اور لوگوں کو حلیہ بیان کرنے میں دشواری ہوتی۔ اپنے یہاں بھوری مونچھیں شاذ و نادر ہی دکھائی دیتی ہیں۔“
خاموشی کا ایک طویل وقفہ.... عورت دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے آرام کر سی میں پڑی ہانپ رہی تھی۔

”اب کیا ارادہ ہے؟“

”جگدیش کو کچھ دیر قبل فون کر چکا ہوں۔ وہ آئی رہا ہوگا۔“

”اوہ.... کیا اس بچاری کی بچت کسی طرح ممکن نہیں ہے۔“ حمید بولا۔

”بچت! کیا بک رہے ہو۔ میں سوسائٹی کے جسم پر ایسے زہریلے ناسوروں کا وجود نہیں برداشت کر سکتا۔ اگر اسے چلور سے کوئی شکایت تھی تو کیا عدالت کے دروازے بند تھے۔ علیحدگی ہو سکتی تھی۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ کمرے کی فضا بوجھل سی معلوم ہونے لگی تھی۔

ختم شد